رمضان المبارک۔ ذُوالقعدہ ۱۴۳۴ھ
جولائی۔ ستمبر ۲۰۱۳ء

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مرکزی انجمن خُدّامُ القُرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانی تنظیمِ اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ و سُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن

(ساتواں ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ

(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ

(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 400 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف

(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 450 روپے

حصہ پنجم سُورۃ مریم تا سُورۃ السّجدۃ

(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 550 روپے

★ عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور

18-A ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۲ شمارہ ۳

رمضان المبارک۔ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ جولائی۔ستمبر ۲۰۱۳ء

بیاد:
ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون 3-35869501
ویب سائٹ : www.tanzeem.org
ای میل: publications@tanzeem.org
سالانہ زرِتعاون : 200 روپے ، فی شمارہ :50 روپے

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور:

دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک	حافظ عاطف وحید	3

مضامینِ قرآن

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	5

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	15

حکمتِ نبوی

اللہ کے پسندیدہ ترین اعمال	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	27

اقبالیات

علامہ اقبال کا خواب اور اس کی قرآنی تعبیر	محمد احمد بلال	33

علومُ القُرآن

تفسیر القرآن بالقرآن اور مولانا مودودیؒ	نذیر احمد علائی	51

فکر و نظر

قرآن اور مستشرقین (۳)	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	63

کتاب نما

تعارف وتبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	82

بیانُ القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور:

دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک

لگ بھگ ربع صدی قبل شروع ہونے والے 'رجوع الی القرآن کورس' کو مرکزی انجمن خدام القرآن اور اس کے بانی و مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دینی و قرآنی خدمات میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ 1984-85ء میں دوسالہ تدریسی و تربیتی کورس کی حیثیت سے اس اہم تعلیمی سرگرمی کا آغاز ہوا اور ابتدائی تین بیچز (batches) سے لگ بھگ 50 کے قریب اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد نے علمِ قرآنی کے اس سرچشمے سے فیض حاصل کیا۔ کچھ عرصے کے بعد محسوس کیا گیا کہ بہت سے حضرات کے لیے اس کام کے لیے دوسال کا عرصہ نکالنا نہایت مشکل ہے..... لہٰذا دوسالہ کورس کے نصاب کو ازسرِنو ترتیب دے کر اسے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کی شکل دی گئی' جو بحمد اللہ تعالیٰ تسلسل اور کامیابی کے ساتھ جاری رہا اور ہر سال اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سے بیسیوں طالبانِ علمِ قرآن اس کورس سے استفادہ کرتے ہیں جن میں ایک نمایاں تعداد خواتین کی بھی ہوتی ہے۔

یہ کورس اصلاً مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ تعلیم یافتہ اور باشعور افراد کے لیے ترتیب دیا گیا ہے' لہٰذا اس کورس سے استفادہ کرنے والوں میں ڈاکٹرز' انجینئرز' سافٹ ویئر و ہارڈ ویئر انجینئرز' ایم بی اے' کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد' حاضر سروس اور ریٹائرڈ فوجی اور سول آفیسرز' نوجوان اور پختہ عمر' غیر ملکی اداروں سے فارغ التحصیل وغیرہ..... غرض یہ کہ ہر نوع اور ہر پیشے سے وابستہ افراد نے اس کورس سے استفادہ کیا ہے۔ ابتدائی تجربات کے بعد جب یہ صورتِ حال سامنے آئی کہ بہت سے غیر ممالک میں مقیم ہمارے رفقاء و احباب بھی ہر سال اس کورس میں شرکت کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں اور ان کے لیے مکمل ایک سال spare کرنا اور جون جولائی کی گرمی کو برداشت کرنا بھی ایک مشکل کام ہے..... لہٰذا ان کی سہولت کے پیش نظر اس کورس کے دورانیے کو مزید کم کر کے نو ماہ تک محدود کر دیا گیا..... اور کوشش یہ کی گئی کہ زیادہ intensive study کے ذریعے اس کم عرصے میں ہی کورس کی تکمیل کروا دی جائے۔ اس اہتمام کے تحت اس نو ماہ پر مشتمل کورس کو تقریباً ساڑھے چار ماہ کے دو سمسٹرز میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ شرکاء کے لیے یہ موقع رہے کہ اگر وہ یک بارگی پورے نو ماہ نہ بھی نکال پائیں تب بھی مختلف batches کے ساتھ دو سمسٹرز کو الگ الگ مکمل کر سکیں۔

رجوع الی القرآن کی مذکورہ بالا تدریج وارتقاء سے جہاں اس بات کا حصول ممکن ہوسکا کہ متوقع شرکاء کی سہولت اور تفریغ اوقات میں آسانی پیدا کی جائے وہیں یہ تشنگی بھی محسوس کی گئی کہ نو ماہ کے مختصر عرصے میں کم استعداد کے حامل افراد کے لیے اس کورس سے بتمام وکمال فائدہ اٹھانا مشکل ہو رہا ہے اور مطلوبہ استعداد حاصل نہیں ہو پا رہی جو اس کورس سے ہمارے پیش نظر ہے.....تو سال 06-2005ء میں رجوع الی القرآن کورس کا پارٹ II متعارف کرایا گیا.....تاکہ ایسے لوگ جو اپنا وقت بھی نکال سکیں اور رسوخ فی العلم کی اعلیٰ منازل بھی حاصل کر سکیں انہیں اس کے لیے ایک مناسب اور سازگار انتظام فراہم کیا جائے۔ پارٹ II اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک advanced course ہے۔اس میں عربی زبان وادب، علوم قرآنی، علم الحدیث، علم الفقہ وغیرہ کی تدریس اُس معیار پر کی جاتی ہے کہ جو متداول مراکز علم میں گریجوایشن کی سطح پر رائج ہے۔ اس کورس سے استفادے کے لیے رجوع الی القرآن کورس پارٹ I کو امتیازی حیثیت کے ساتھ پاس کرنا لازم ہے ورنہ اس سے استفادہ کما حقہ ممکن نہیں ہوتا.....البتہ پارٹ II سے بحسن وخوبی گزرنے کے بعد طالبانِ قرآن کو فہمِ قرآن اور دعوت الی القرآن کے لیے مناسب استعداد میسر آ جاتی ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمد!

اس سال ان شاء اللہ العزیز 2 ستمبر سے رجوع الی القرآن کورسز پارٹ I اور پارٹ II کے نئے بیچز کی تدریس کا آغاز ہو جائے گا۔ صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ناامیدی کے اندھیروں میں چراغِ سحری کی تلاش جاری رکھی اور ایسے اہل اور باصلاحیت نوجوانوں کو اس کام کے لیے تلاش کرتے رہے کہ جن کے خلوص اور سعی وجُہد سے ظلمتوں کے اندھیرے اور ناامیدی کے بادل چھٹنے کی توقع کی جا سکتی ہو۔ ایسے باہمت اور پُرعزم لوگوں کے لیے رجوع الی القرآن کورسز ایک نعمت غیر مترقبہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ابھی اس کورس کے آغاز میں ایک ماہ باقی ہے جس میں اگر وہ ہمت کریں تو تفریغ اوقات کا سامان میسّر کر سکتے ہیں۔ ایسے باہمت لوگوں کو ہماری دعوت ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اس کارِ عظیم میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے اُس علمی استعداد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ جس کا اہتمام مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت قرآن اکیڈمی میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی کتابِ عزیز کی تعلیم وتعلّم کے ضمن میں ہونے والی جملہ مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین
کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ حافظ محمد زاہد

سُورَۃُ الْاَعْلٰی

سورۃ الاعلیٰ سے لے کر سورۂ الم نشرح تک ۸ سورتیں بنتی ہیں اور ان میں سے ہر دو جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں پہلا جوڑا سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کا ہے۔ ان کے بارے میں نوٹ کر لیجیے کہ نبی اکرم ﷺ بالعموم جمعہ اور عیدین کی نماز میں یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اب ظاہر بات ہے: **فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ** ''کسی دانا کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا'' کے مصداق حضور ﷺ کا یہ فعل بھی حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اس فعل کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں خطبہ ہوتا ہے جس کا مقصد تزکیہ ہے اور ان دونوں سورتوں میں بھی حضور اکرم ﷺ کو تزکیہ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ ﷺ ان سورتوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز میں پڑھا کرتے تھے—— سورۃ کی ابتدا ہی میں فرمایا گیا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪﴿۳﴾

''(اے پیغمبر ﷺ!) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو' جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا' اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا پھر (اس کو) راستہ بتایا۔''

آگے آیات ۹ تا ۱۱ میں تذکیر کے حوالہ سے فرمایا گیا: ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝﴿۱۰﴾﴾ ''سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی اُمید) ہو نصیحت کرتے رہو۔ جو خوف رکھتا ہے وہ تو نصیحت پکڑے گا''—— یہ اس شخص کی کیفیت کا ذکر ہے جس کے دل میں بنیادی طور پر ایمان موجود ہے لیکن اس پر کچھ حجاب سا آ گیا ہے یا زنگ لگ گیا ہے' جس کی وجہ سے کچھ بداعمال ہو رہے ہیں' تو آپ ﷺ جب قرآن کے ذریعہ تذکیر فرمائیں گے تو وہ حجاب اور زنگ دور ہو جائے گا' جو غفلت طاری ہو گئی تھی وہ ہٹ جائے گی —— آگے فرمایا: ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝﴿۱۱﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝﴿۱۳﴾﴾

''اور جو آپؐ کی تذکیر سے روگردانی کرے گا تو وہ شقی اور بدبخت ہے' جو (قیامت کے روز) بڑی تیز آگ میں ڈالا جائے گا۔ پھر وہاں نہ مرے گا نہ جیے گا۔''

سورۃ کے آخر میں فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝١٦ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝١٧﴾ ''مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو' حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے''۔ بعینہٖ یہی مضمون سورۃ القیامہ میں بایں الفاظ آیا تھا: ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝٢٠ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝٢١﴾ ''مگر (لوگو) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کیے دیتے ہو۔''

سُورَةُ الْغَاشِيَة

سورۃ الغاشیہ میں سورۃ القیامہ والا تیز انداز اختیار کیا گیا ہے اور اس کی آیات ایسی مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی کو الگ کر کے آپ بیان نہیں کر سکتے — سورۃ کی پہلی سات آیات میں جہنّم' اہلِ جہنّم اور ان کی صفات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا گیا:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧

''کیا پہنچ چکی ہے تمہارے پاس اس ڈھانپ لینے والی کی بات! جس روز کچھ چہرے (والے) ذلیل ہوں گے' سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔ جو دہکتی آگ میں پھینکے جائیں گے' جہاں ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا' اور ان کے لیے کھانے کو بھی خاردار جھاڑ کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ نہ تو اس سے کوئی طاقت ملے گی اور نہ ہی بھوک مٹے گی۔''

مذکورہ سات آیات میں تو اہل جہنم اور ان کے انجامِ بد کو بیان کیا گیا ہے' جبکہ اگلی ۹ آیات میں اس کے مقابل اہل جنت اور ان کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦

''اور بہت سے چہرے اُس روز تر و تازہ اور اپنے اعمال (کی جزا) سے خوش دل ہوں گے' بہشت بریں میں۔ وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے' اور آب خورے (قرینے سے) رکھے ہوئے' اور گاؤ تکیے قطار کی قطار میں لگے ہوئے' اور نفیس مسندیں بچھی ہوئیں۔''

اگلی آیات میں اللہ ربّ العزت نے اپنی مخلوقات میں سے کچھ کی طرف اشارہ کر کے نبی اکرم ﷺ کو تذکیر و یاددہانی کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا:

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾ فَذَکِّرۡ ۟ قف اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿۲۱﴾ ؕ لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ﴿۲۲﴾ ۙ

''یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹوں کو کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے۔ اور آسمان کو کہ کیسے اوپر بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو کہ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور زمین کو کہ کیسے پھیلا دی گئی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ تو بس نصیحت کرتے رہیں' اس لیے کہ آپ تو نصیحت کرنے والے ہی ہیں' اور ان پر داروغہ نہیں ہیں۔''

یعنی آپ ﷺ ان کے اوپر کوئی داروغہ نہیں ہیں کہ زبردستی اُن کو ہدایت پر لے آئیں۔ دراصل یہ آپؐ کی دلجوئی کی جا رہی ہے' اس لیے کہ جب آپؐ کو اپنی شب و روز کی محنت کا بظاہر کوئی نتیجہ نکلتا محسوس نہ ہوتا ہوگا تو آپؐ کی طبیعت پر بوجھ اور ملال ہوتا ہوگا' اسی لیے فرمایا گیا کہ بس آپ اپنا کام کرتے رہیں' تذکیر جاری رکھیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی انکار اور روگردانی کرے گا تو: ﴿اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ ﴿۲۶﴾﴾ ''یقیناً ان کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے' اور پھر ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے''—— اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ دعائیہ الفاظ پڑھنے چاہئیں: اَللّٰھُمَّ حَاسِبۡنَا حِسَابًا یَّسِیۡرًا ''پروردگار! ہم سے آسان حساب لینا!''

سُورَۃُ الۡفَجۡر

سورۃ الفجر اور سورۃ البلد ایک جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ الفجر کے آغاز میں کئی قسمیں ہیں۔ فرمایا:

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾

''فجر کی قسم' اور دس راتوں کی' اور جفت اور طاق کی' اور رات کی جب جانے لگے۔ بے شک یہ چیزیں عقل مندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں۔''

اقسام القرآن کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ یہ ایک مشکل معاملہ ہے' لیکن بہرحال یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور حکمت قرآنی کا بہت اہم حصہ ہے—— ان قسموں کے بعد کچھ سابقہ اقوام (قومِ عاد' قومِ ثمود اور فرعون) کی سرکشی اور ان کے انجام کا مختصراً ذکر ہے کہ کس طرح ان پر عذاب نازل ہوا۔

آیت ۱۵'۱۶ میں سورۃ الفجر کا اہم ترین مضمون بیان ہوا ہے جو حکمت قرآنی کے اعتبار سے معرفت کا ایک موتی ہے۔ شکوہ کے انداز میں کہا گیا ہے:

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىہُ رَبُّہٗ فَاَکۡرَمَہٗ وَنَعَّمَہٗ ۙ فَیَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَکۡرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىہُ فَقَدَرَ عَلَیۡہِ رِزۡقَہٗ ۙ فَیَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَہَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾

''بہرحال انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے' پھر اس کو عزت دیتا ہے اور نعمتیں بخشتا ہے تو (انسان) کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔ اور (دوسری طرف) جب آزما کر (فراوانی کی بجائے) ناپ تول کر دیتا ہے تو (انسان) کہتا ہے کہ میرے ربّ نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا۔''

اگر دیکھا جائے تو بنیادی طور پر دونوں باتیں غلط نہیں ہیں' اس لیے کہ وہ کشادگی اور تنگی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے' کسی دیوی دیوتا کی طرف منسوب کر کے شرک کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہے جسے قرآن نے ''ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا''، یعنی کھلی گمراہی قرار دیا ہے' تو پھر شکوہ کیسا؟ اس میں اصل نکتہ یہ ہے کہ انسان دراصل اس دنیا کی عزت کو عزت اور ذلت کو ذلت سمجھ رہا ہے جبکہ یہ دونوں حالتیں امتحان اور آزمائش کی ہیں اور دونوں برابر ہیں۔ اس لیے کہ کبھی اللہ زیادہ دے کر آزماتا ہے اور کبھی کم دے کر —— اس آیت میں حکمت کی اگلی بات یہ ہے کہ تنگی اور فقر میں تو اللہ یاد رہتا ہے لیکن کشادگی اور آسائش میں اللہ کا خیال عموماً محو ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ زیادہ بڑا اور کڑا امتحان ہے۔

اس سورۃ کی آخری چار آیات بڑی عظیم آیات ہیں جنہیں ہر شخص کو حفظ کر لینا چاہیے اور اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں بھی اُن خوش نصیب لوگوں میں شامل فرما لے جن کے استقبال کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام ملے گا:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

''اے اطمینان پانے والی روح! ☆ اب تو لوٹ آ اپنے رب کی طرف۔ اس حال میں کہ تو اپنے رب سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا!''

اللہ کے ممتاز بندوں کی تفصیل سورۃ النساء میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ

☆ قرآن مجید نے نفس کی تین کیفیات کو بیان کیا ہے: (۱) اگر انسان کے قلب کا رُخ یکسو ہو کر روح کی طرف ہو جائے تو قلب ایک آئینہ کی مانند ہو جائے گا' بایں معنی کہ روح کی ساری تجلیات اور انوارات —— روح کا تعلق چونکہ امرِ ربی سے ہے اس لیے وہ ربانی تجلیات —— انسان کے پورے وجود میں سرایت کر جائیں گی اور پورا وجود منور ہو جائے گا۔ اس کیفیت کا نام ''نفس مُطْمَئِنَّہ'' ہے جس کے بارے میں سورۃ الفجر میں فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾﴾ ''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل' تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔'' (۲) دوسری کیفیت یہ ہے کہ قلب کا رُخ مکمل طور پر نفس امارہ کی طرف ہو جائے تو نفس امارہ کی ساری تاریکیاں انسان کے وجود میں منعکس ہو جائیں گی اور سارا جسم خراب ہو جائے گا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ﴾ (یوسف: ۵۳) ''بے شک نفس انسان کو برائی پر ہی اُکساتا رہتا ہے۔'' (۳) اس کے علاوہ ایک کیفیت یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا قلب ڈانواں ڈول رہتا ہے' یعنی اگر کوئی اچھا کام کیا تو اندر سے شاباش ملتی ہے کہ تم نے ٹھیک کیا ہے اور اگر کوئی برا کام کیا تو روح ملامت کرتی ہے۔ اس کو ''نفسِ لوّامہ'' کہتے ہیں اور اس کیفیت کو سورۃ التوبہ میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے: ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾ (آیت ۱۰۲) ''(کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں) جو خلط ملط کر لیتے ہیں اچھے کاموں کے ساتھ دوسرے برے کام بھی۔'' (ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب سے ماخوذ)

رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾ ’’اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا (یعنی) انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے‘‘ —— اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

سُورۃُ البَلَد

سورۃ الفجر کی طرح سورۃ البلد کی ابتدا بھی مختلف قسموں سے ہو رہی ہے —— اقسام القرآن کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مشکلات القرآن میں سے ہیں اور حکمت قرآنی کا ایک اہم موضوع ہیں— ارشاد ہوا:

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾

’’قسم ہے اس شہر (مکہ) کی‘ اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو اس شہر میں (ایذا رسانی کے لیے) حلال کر لیا گیا ہے۔ اور باپ (یعنی آدم علیہ السلام) اور اس کی اولاد کی قسم کہ ہم نے انسان کو مشقت (کی حالت) میں (رہنے والا) پیدا کیا ہے۔‘‘

دنیا کے رنج و غم اور شدائد و مسائل ہر انسان کا مقدر ہیں‘ کوئی اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔ کسی کو ذہنی کوفت زیادہ ہے تو کسی کے لیے جسمانی مشقت۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بڑی آسائش میں ہے‘ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں مخملیں گدوں پر براجمان ہے‘ لیکن چین اس کو بھی نصیب نہیں ہے‘ نیند اسے بھی نہیں آ رہی‘ وہ بھی پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ الغرض انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا ہے۔

سورۃ الفجر میں بھی انسانوں سے ایک شکوہ کیا گیا تھا اور اس سورۃ میں بھی ایک بات شکوے کے سے انداز میں کہی گئی ہے کہ انسان کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے کہ ہم نے اس پر اتنے بڑے احسان کیے —— ﴿اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ۚ﴿۱۰﴾﴾ ’’کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں‘ ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے نہیں دکھا دیے؟‘‘ —— مگر اس کی بدقسمتی کا عالم یہ ہے:

فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَۃَ ۟﴿۱۱﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡعَقَبَۃُ ؕ﴿۱۲﴾ فَکُّ رَقَبَۃٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ ۙ﴿۱۴﴾ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۱۸﴾

’’پس یہ گھاٹی کو عبور نہ کر سکا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی غلام کی گردن آزاد کرا دینا یا کسی قحط کے دن کھانا کھلا دینا‘ اُس یتیم کو جو قرابت دار اور رشتہ دار بھی ہے‘ یا اُس مسکین کو جو خاک نشین ہے۔ (معلوم ہوا کہ مال کی محبت آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے اور گاڑی کو بریک لگا دیتی ہے۔) اور پھر شامل ہو ان لوگوں میں جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے پر صبر اور رحم کرنے کی وصیت کی (یہ الفاظ سورۃ العصر کے مشابہ ہیں)۔ یہی لوگ صاحبِ سعادت ہیں۔‘‘

سُورۃُ الشَّمْس

سورۃ الشّمس سے سورۂ الم نشرح تک‘ ان چار سورتوں کو میں ’’چہار سُورِ نور وظلمت‘‘ کا نام دیتا ہوں‘ اس لیے کہ ان سورتوں کے آغاز میں رات اور دن یعنی تاریکی اور روشنی کی قسمیں کھائی گئی ہیں — سورۃ الشّمس میں فرمایا: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴﴾ ’’سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی‘ اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے‘ اور دن کی جب اسے چمکا دے‘ اور رات کی جب اسے چھپا لے‘‘۔ سورۃ اللیل میں فرمایا: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲﴾ ’’رات کی قسم جب (دن کو) چھپا لے اور دن کی قسم جب چمک اُٹھے‘‘۔ سورۃ الضحیٰ میں فرمایا: ﴿وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲﴾ ’’آفتاب کی روشنی کی قسم‘ اور رات (کی تاریکی) کی جب چھا جائے‘‘ — سورۂ الم نشرح میں اگرچہ یہ قسمیں موجود نہیں ہیں مگر وہ سورۃ الضحیٰ کا تسلسل ہے‘ اس لیے میں اس کو بھی ان میں شامل کرتا ہوں۔

ان قسموں کے بعد جو مقسم علیہ ہے یعنی جس پر قسم کھائی جا رہی ہے اس میں ایک بڑا تدریجی ارتقاء ہے۔ پہلی سورت یعنی سورۃ الشّمس میں ان قسموں کے بعد یہ مضمون آیا ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰﴾ ’’اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا‘ پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کی سمجھ عطا کی۔ تو کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا‘ اور ناکام ہوا وہ جس نے اس کو خاک میں ملا دیا‘‘۔ یعنی جس کا روحانی عنصر اس کے زمینی عنصر کے تحت دب گیا تو وہ ناکام و نامراد ہوا۔

سُورۃُ الَّیْل

سورۃ الیل میں تزکیہ کا مضمون تفصیل سے آ رہا ہے کہ تزکیہ‘ نیکی اور فلاح کا راستہ کون سا ہے اور دوسری طرف ناکامی اور ہلاکت کا راستہ کون سا ہے؟ اس سورۃ میں بتایا گیا کہ تین اوصاف ایسے ہیں جو کامیابی اور فلاح کی طرف لے جانے والے ہیں‘ ان میں پہلا عطا و سخاوت‘ دوسرا تقویٰ اور تیسرا حق بات کی تصدیق ہے۔ یہ تینوں اوصاف منزل کو آسان بنانے والے اور انسان کو جنت تک پہنچانے والے ہیں۔ اس کے برعکس تین اوصاف ایسے ہیں جو انسان کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جانے والے ہیں‘ وہ ہیں: بخل‘ سرکشی اور سچائی کو جھٹلانا۔ اس حوالے سے متعلقہ آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝۳ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰

’’رات کی قسم جب (دن کو) چھپا لے‘ اور دن کی قسم جب چمک اٹھے‘ اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر

اور مادہ کو پیدا کیا۔ درحقیقت تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے‘ تو جس نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی‘ اور نیک بات کو سچ جانا‘ اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا‘ اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا‘ اسے سختی میں پہنچائیں گے۔‘‘

سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

’’اور جہنم سے بچا لیا جائے گا جو بہت متقی ہے‘ جو اپنا مال دیتا ہے تزکیہ کے حصول کے لیے‘ اور اس لیے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اتار رہا ہے‘ بلکہ اپنے بلند مرتبہ مالک کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔‘‘

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں‘ اس لیے کہ تمام صحابہ کرامؓ میں یہ شان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں نمایاں ہے۔ امام رازی نے تو اس سورۃ کو حضرت ابوبکرؓ کی سورۃ قرار دیا ہے اور اگلی سورت ’’الضحیٰ‘‘ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سورۃ قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ سورۃ الضحیٰ میں یہ مضمون اُس انتہائی مقام کو پہنچ گیا ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک فائز ہے۔

ان آیات میں بیان ہوا ہے کہ یہ شخص بغیر کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کے‘ صرف اللہ کی رضاجوئی کے لیے مال خرچ کرتا ہے — یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بعینہٖ صادق آتی ہے۔ مثلاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان نہیں تھا‘ مگر آپؓ نے ایک خطیر رقم خرچ کر کے ان کو صرف اپنے پروردگار کی رضاجوئی کی خاطر آزاد کرایا تھا۔

سُورۃُ الضُّحٰی

اگلی دو سورتوں یعنی سورۃ الضحیٰ اور سورۂ الم نشرح سے عام طور پر مسلمانوں کو ایک خاص قلبی لگاؤ ہے‘ اس لیے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ راز و نیاز کی باتیں بھی ہماری رہنمائی کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرآن مجید میں ثبت کر دی گئی ہیں۔ سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں‘ آپ کا رب آپ کا ساتھ چھوڑنے والا نہیں ہے۔ فرمایا:

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾

’’گواہ ہے دن جب وہ روشن ہو جائے‘ اور رات جب وہ تاریک ہو جائے‘ کہ آپؐ کے رب نے نہ آپؐ سے تعلق منقطع کیا ہے اور نہ ہی آپؐ سے ناراض ہے۔ اور ہر آنے والی ساعت آپؐ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے (یعنی آپؐ کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں)۔ اور آپؐ کا رب آپؐ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔‘‘

یہاں یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ سورۃ الیل کی آخری آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ''وَلَسَوْفَ یَرْضٰی'' یعنی غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ نبی نہیں ہیں اور ان سے براہِ راست خطاب نہیں ہے' جبکہ محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ آپ سے براہِ راست مخاطب ہے اس لیے آپ کے لیے زیر مطالعہ سورۃ میں ''فَتَرْضٰی'' یعنی حاضر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

اگلی آیات میں ربّ العالمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین ﷺ پر ہونے والے انعامات کو اشارتاً بیان کر کے سورۃ کے آخر میں آپ ﷺ کو ان انعامات کے بیان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۪ۙ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۪ۙ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰی ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ؕ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

''کیا اس نے آپؐ کو یتیم نہیں پایا اور پھر آپؐ کی پوری پرورش کا بندوبست کیا؟ اور آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو آپؐ کو سیدھا راستہ دکھایا (یعنی پردے ہٹا کر آپؐ کو حقائق کا مشاہدہ کرا دیا)۔ اور آپؐ کو تنگدست پایا تو (دُنیوی اعتبار سے آپؐ کے لیے) غنیٰ کا سامان کر دیا۔ تو اب آپ بھی کبھی یتیم پر جبر نہ کیجیے گا' اور نہ کسی مانگنے والے کو جھڑکیے گا۔ اور اپنے رب کی نعمتوں کا اعلان کرتے رہیے گا۔''

سُورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ

سورۃ الضحیٰ میں شروع ہونے والا مضمون تسلسل کے ساتھ زیر مطالعہ سورۃ میں بھی اس طرح جاری ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا یہ ایک ہی سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت بھی آتی ہے کہ آپؓ بغیر بسم اللہ پڑھے دونوں سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔

سورۃ کے شروع میں وہی انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ جاری ہے۔ فرمایا: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾﴾ ''(اے محمد ﷺ!) کیا ہم نے آپ کے سینہ کو آپ کے لیے کھول نہیں دیا؟ اور آپ کی کمر سے وہ بوجھ اتار دیا جو آپ کی کمر کو دوہرا کیے جا رہا تھا۔''

یہ گویا بڑی نجی سطح پر راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ ان کیفیات پر صوفیاء نے بحث کی ہے۔ صوفیاء کی دو اصطلاحات ہیں: (۱) قبض اور (۲) بسط۔ طبیعت میں اگر کہیں قبض کی کیفیت پیدا ہو جائے تو ان دونوں سورتوں میں بسط کی طرف لانے کی تاثیر ہے۔

سورۃ الضحیٰ کے آخر میں حضور اکرم ﷺ کو انعاماتِ الٰہیہ کے بیان کا حکم دیا گیا تھا جبکہ اس سورۃ کے آخر میں آپؐ کو عبادت کرنے اور پروردگار کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾﴾ ''پس جب بھی آپ (دعوت و فرائض نبوت کی ادائیگی سے) فارغ ہوں تو فوراً اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جائیں (کمر کس لیں) اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔''

سُورۃُ التِّین

سورۃ التین سے سورۃ الناس تک بیس سورتیں ہیں' جن میں سے اکثر بہت چھوٹی ہیں۔ ان کے بارے میں مختصراً ہی کچھ ذکر کیا جائے گا۔ البتہ تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان سورتوں کو حفظ کریں اور ان کے ترجمہ کو بھی یاد کریں۔ سورۃ التین کے آغاز میں فرمایا:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾

''انجیر اور زیتون کی قسم' اور طور سینین کی قسم' اور اس امن والے شہر کی قسم' کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔''

جس بات پر قسمیں کھائی گئی ہیں ـــ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾﴾ ـــ وہ عام طور پر ہمارے جمعہ کے خطبوں کا موضوع ہے۔ اس میں اشارہ ہے روحِ انسانی کی جانب جو امرِ ربی ہونے کے اعتبار سے بلند ترین درجے پر ہے ـــ آگے فرمایا: ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿۵﴾﴾ ''پھر اس کو (بدل کر) پست سے پست کر دیا''۔ اس آیت میں انسان کے حیوانی وجود کی طرف اشارہ ہے جو نچلوں میں سب سے نچلا درجہ ہے' جس کو اپنا اصل مقام حاصل کرنے کے لیے محنت ومشقت اور مجاہدہ کرنا ہوگا' اپنے حیوانی نفس کے خلاف تزکیہ کرنا ہوگا' پھر جا کر ''احسن تقویم'' والا درجہ دوبارہ حاصل ہوگا۔ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔''

سُورۃُ العَلَق

سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ ''تقریباً'' کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا کہ ایک روایت ایسی ملتی ہے جس میں سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات کو پہلی وحی بتایا گیا ہے ـــ اس بارے میں نوٹ کر لیں کہ پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ (تین سال) تک وحی کا سلسلہ رک گیا تھا جسے ''فترۃ الوحی'' کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ تمام مفسرین اور محققین کا اس پر اجماع ہے کہ سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات فترۃ الوحی کے بعد نازل ہونے والی پہلی وحی ہے' جبکہ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات علی الاطلاق پہلی وحی ہے۔ آغاز میں فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

''(اے محمد ﷺ!) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے (تمام عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو! اور تمہارا رب بہت کریم ہے' جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے سے' اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا۔''

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان آیات میں صرف ایک حکم ''اِقْرَاْ'' ہے' جبکہ سورۃ المدثر میں تبلیغ کا حکم آیا ہے — فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳﴾ ''اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو' اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو'' — چنانچہ اس ضمن میں بعض محققین نے یہ رائے قائم کی ہے اور مجھے اس سے اتفاق ہے کہ سورۃ العلق سے حضور ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوا ہے جبکہ سورۃ المدثر سے آپؐ کی رسالت کا آغاز ہوا ہے۔

سورۂ مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات کے بعد کی آیات حکمت قرآنی کا بڑا خزانہ ہیں' جن میں فرمایا گیا: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝۶ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝۷﴾ ''ہرگز نہیں! انسان سرکش ہو جاتا ہے جبکہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے''۔ انسان جب اپنے آپ کو آزاد دیکھتا ہے بایں طور کہ جو بداعمالیاں یہ کرتا ہے اس کا کوئی نتیجہ اس کے سامنے نہیں آتا تو اس کے اندر اپنی حدود سے تجاوز کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو یہ بتا دیا جائے کہ: ﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اس کو تمہارے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے'' — ایک روز اس کو ضرور اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے اور اس کی برائیوں اور گمراہیوں کے جو نتائج اس دنیا میں اس کے سامنے نہیں آ رہے وہ وہاں ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اس یقین کے ساتھ یہ سیدھا ہو جائے گا' اور اگر اس پر یقین نہیں کرتا تو پھر اس کو درست کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

آگے ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ ابوجہل نے دو مرتبہ حضور اکرم ﷺ پر دست درازی کی کوشش کی تھی اور نماز سے روکا تھا۔ آیت ۹ تا ۱۶ میں اس واقعہ کی جزئیات کو بیان کیا گیا ہے اور اگلی دو آیات میں تو بڑے عجیب' پُررُعب اور چیلنج کے سے انداز میں کہا جا رہا ہے: ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝۱۷ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۸﴾ ''تو وہ بلا لے اپنے ساتھیوں کو' ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔''

آخری آیت ''آیت سجدہ'' ہے اور اس میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے: ﴿كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹﴾ ''(اے محمد ﷺ!) آپ ان کی باتوں سے کوئی اثر قبول نہ فرمائیں۔ اپنے ربّ کے لیے سجدہ کریں اور اس سے قریب تر ہو جائیں''۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ)) (رواہ مسلم) ''بندہ اپنے رب سے قریب ترین سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے'' — اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ انانیت اور تکبّرِ نفس کی کُلی نفی کرتا ہے جبکہ یہی تکبر نفس ہی بندے اور رب کے مابین سب سے بڑا حجاب ہے۔

سُورۃُ القَدْر

سورۃ القدر میں ''لیلۃ القدر'' کا ذکر آیا ہے' جو ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے' اور یہ ایک ہزار مہینوں (تقریباً ۸۳ سال) سے افضل ہے۔ فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۳ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۴

''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے' اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

(باقی صفحہ 31 پر)

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ النساء

آیات ۱۵۳ تا ۱۵۵

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ
فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

ط ب ع

طَبَعَ يَطْبَعُ (ف) طَبْعًا : کسی چیز کو ڈھال کر کوئی شکل دینا' جیسے سکہ ڈھالنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے: (۱) کوئی تصویر یا نقش ونگار بنانا۔ (۲) کسی چیز پر کچھ چھاپنا یا چھاپ لگانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترجمہ:

يَسْـَٔلُكَ : مانگتے ہیں آپ سے
اَنْ : کہ
عَلَيْهِمْ : ان پر

اَهْلُ الْكِتٰبِ : اہل کتاب
تُنَزِّلَ : آپؐ اتاریں
كِتٰبًا : کوئی کتاب

مِّنَ السَّمَآءِ : آسمان سے
مُوْسٰٓی: موسیٰؑ سے
فَقَالُوْٓا : تو انہوں نے کہا
اللّٰہَ: اللہ کو
فَاَخَذَتْھُمُ : تو پکڑا ان کو
بِظُلْمِھِمْ : ان کے ظلم کے سبب سے
الْعِجْلَ : بچھڑے کو (الٰہ)
جَآءَ تْھُمُ : آئیں ان کے پاس
فَعَفَوْنَا : پھر ہم نے درگزر کیا
وَاٰتَیْنَا : اور ہم نے دیا
سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا : واضح غلبہ
فَوْقَھُمُ : ان کے اوپر
بِمِیْثَاقِھِمْ : ان کے پختہ عہد کے لیے
لَھُمُ : ان سے
الْبَابَ : دروازے میں
وَّقُلْنَا : اور ہم نے کہا
لَا تَعْدُوْا : تم حد سے مت بڑھو
وَاَخَذْنَا: اور ہم نے لیا
مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا : ایک مضبوط عہد
نَقْضِھِمْ : ان کے توڑنے کے سبب سے
وَکُفْرِھِمْ: اور ان کے انکار کرنے کے سبب سے
وَقَتْلِھِمُ: اور ان کے قتل کرنے کے سبب سے
بِغَیْرِ حَقٍّ : کسی حق کے بغیر
قُلُوْبُنَا : ہمارے دل
بَلْ : (ہرگز نہیں) بلکہ
اللّٰہُ : اللہ نے
بِکُفْرِھِمْ : ان کے کفر کے سبب سے
اِلَّا قَلِیْلًا: مگر تھوڑے سے

فَقَدْ سَاَلُوْا : تو وہ مانگ چکے ہیں
اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ: اس سے زیادہ بڑی (چیز)
اَرِنَا: آپ دکھائیں ہمیں
جَھْرَةً : کھلم کھلا
الصّٰعِقَةُ : آسمانی بجلی نے
ثُمَّ اتَّخَذُوا: پھر انہوں نے بنایا
مِنْۢ بَعْدِ مَا: اس کے بعد کہ
الْبَیِّنٰتُ : واضح (نشانیاں)
عَنْ ذٰلِكَ : اس سے
مُوْسٰی : موسیٰؑ کو
وَرَفَعْنَا : اور ہم نے بلند کیا
الطُّوْرَ : کوہِ طور کو
وَقُلْنَا : اور ہم نے کہا
ادْخُلُوا : تم داخل ہو
سُجَّدًا : سجدہ کرنے والوں کی حالت میں
لَھُمْ : ان سے
فِی السَّبْتِ : ہفتے کے دن میں
مِنْھُمْ : ان سے
فَبِمَا : پس جو (ان کی سزا ہے) وہ ہے
مِّیْثَاقَھُمْ : اپنے عہد کو
بِاٰیٰتِ اللّٰہِ : اللہ کی نشانیوں کا
الْاَنْبِیَآءَ : نبیوں کو
وَّقَوْلِھِمْ : اور ان کے کہنے کے سبب سے
غُلْفٌ : غلافوں میں بند ہیں
طَبَعَ : چھاپ لگا دی
عَلَیْھَا : ان پر (یعنی دلوں پر)
فَلَا یُؤْمِنُوْنَ : پس یہ ایمان نہیں لائیں گے

آیات ۱۵۶ تا ۱۵۹

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾

ترکیب: ''قَتَلْنَا'' کا مفعول ''اَلْمَسِیْحُ'' ہے اور اس کا بدل ''عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ'' ہے۔ پھر ''عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ'' کا بدل ''رَسُوْلَ اللّٰہِ'' ہے۔ ''بِہٖ'' اور ''مَوْتِہٖ'' کی ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہیں۔ اسی طرح ''یَکُوْنُ'' کا اسم اس میں شامل ''ھُوَ'' کی ضمیر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔

ترجمہ:

وَّبِكُفْرِهِمْ : اور ان کے کفر کے سبب سے
عَلٰى مَرْيَمَ : بی بی مریم پر
وَّقَوْلِهِمْ : اور ان کے کہنے سے
الْمَسِيْحَ : مسیحؑ کو
رَسُوْلَ اللّٰهِ : جو اللہ کے رسول ہیں
وَمَا صَلَبُوْهُ: اور نہ ہی انہوں نے سولی چڑھایا انؑ کو
شُبِّهَ : مشتبہ کیا گیا (معاملہ)
وَاِنَّ : اور بے شک
اخْتَلَفُوْا : اختلاف کیا
لَفِيْ شَكٍّ : یقیناً (وہ) شک میں ہیں
مَا لَهُمْ : نہیں ہے ان کے لیے
مِنْ عِلْمٍ: کسی قسم کا کوئی علم
اِتِّبَاعَ : پیروی کرنا
وَمَا قَتَلُوْهُ : اور انہوں نے نہیں قتل کیا ان کو
بَلْ : بلکہ
اللّٰهُ : اللہ نے

وَقَوْلِهِمْ : اور ان کے کہنے سے
بُهْتَانًا عَظِيْمًا : ایک عظیم بہتان
اِنَّا قَتَلْنَا : کہ ہم نے قتل کیا
عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ : جو عیسیٰؑ ابن مریم ہیں
وَمَا قَتَلُوْهُ : اور انہوں نے قتل نہیں کیا ان کو
وَلٰكِنْ : اور لیکن
لَهُمْ : ان کے لیے
الَّذِيْنَ : جن لوگوں نے
فِيْهِ : اس میں
مِّنْهُ : اس (کی طرف) سے
بِهٖ : جس کے بارے میں
اِلَّا : سوائے اس کے کہ
الظَّنِّ : گمان کی
يَقِيْنًا : یقیناً
رَّفَعَهُ : اٹھایا انؑ کو
اِلَيْهِ : اپنی طرف

وَكَانَ اللّٰهُ :اور اللہ ہے	عَزِيْزًا :بالا دست
حَكِيْمًا:حکمت والا	وَاِنْ :اور نہیں ہے
مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ:اہل کتاب میں کوئی	اِلَّا :مگر یہ کہ
لَيُؤْمِنَنَّ :وہ لازماً ایمان لائے گا	بِهٖ :ان پر
قَبْلَ مَوْتِهٖ:ان کی موت سے پہلے	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ :اور قیامت کے دن
يَكُوْنُ :وہ ہوں گے	عَلَيْهِمْ :ان پر
شَهِيْدًا : گواہ	

نوٹ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کی وضاحت آل عمران: ۵۵ کے نوٹ ا میں کی جا چکی ہے۔ آیات زیر مطالعہ میں اس عقیدے کی بہت واضح الفاظ میں تردید کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ قتل کیا گیا یا سولی پر چڑھایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ ان لوگوں کے لیے مشتبہ کر دیا گیا تھا۔

اس معاملے کو کس طرح مشتبہ کیا گیا' اس کی وضاحت قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے اور نہ ہی ایسی کوئی حدیث میری نظر سے گزری ہے۔ البتہ اس کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور وہب بن منبہؒ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ جب شاہی سپاہیوں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکان کا محاصرہ کیا تو اس وقت آپؑ کے ساتھ سترہ حواری تھے۔ آپؑ نے فرمایا تم میں سے کون اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہہ ڈالی جائے' میری جگہ وہ قتل کیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے؟ ایک حواری اس کے لیے تیار ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ ان کو قتل کر کے صلیب پر لٹکایا گیا' جبکہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔

آیات ۱۶۰ تا ۱۶۲

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

ترکیب: ''طَيِّبٰتٍ'' نکرہ موصوفہ ہے اور ''اُحِلَّتْ'' اس کی صفت ہے۔ ''بِصَدِّهِمْ'' کے 'بَا' سببیہ پر عطف ہونے کی وجہ سے ''اَخْذِهِمْ'' اور ''اَكْلِهِمْ'' مجرور ہوئے ہیں۔ ''وَالْمُقِيْمِيْنَ'' اسم الفاعل ہے اور حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ:

فَبِظُلْمٍ : پس ظلم کے سبب سے	مِّنَ الَّذِيْنَ :ان میں سے جو

هَادُوْا : یہودی ہوئے
عَلَيْهِمْ : ان پر
اُحِلَّتْ : حلال کی گئی تھیں
وَبِصَدِّهِمْ : اوران کے روکنے کے سبب سے
كَثِيْرًا : بہتوں کو
الرِّبٰوا : سود کو
قَدْ نُهُوْا : وہ روکے گئے ہیں
وَاَكْلِهِمْ : اوران کے کھانے کے سبب سے
بِالْبَاطِلِ : باطل طریقے سے
لِلْكٰفِرِيْنَ : کافروں کے لیے
عَذَابًا اَلِيْمًا : ایک دردناک عذاب
الرّٰسِخُوْنَ : جم جانے والے
مِنْهُمْ : ان میں سے
يُؤْمِنُوْنَ : جو ایمان لاتے ہیں
اُنْزِلَ : اتارا گیا
وَمَآ : اور جو
مِنْ قَبْلِكَ : آپؐ سے پہلے
الصَّلٰوةَ : نماز کے
الزَّكٰوةَ : زکوٰۃ کو
بِاللّٰهِ : اللہ پر
اُولٰٓئِكَ : یہ لوگ ہیں
اَجْرًا عَظِيْمًا : ایک شاندار بدلہ

حَرَّمْنَا : ہم نے حرام کیں
طَيِّبٰتٍ : کچھ ایسی پاکیزہ چیزیں جو
لَهُمْ : ان کے لیے
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کے راستے سے
وَّاَخْذِهِمُ : اوران کے پکڑنے کے سبب سے
وَ : حالانکہ
عَنْهُ : اس سے
اَمْوَالَ النَّاسِ : لوگوں کے مال کو
وَاَعْتَدْنَا : اور ہم نے تیار کیا
مِنْهُمْ : ان میں سے
لٰكِنِ : لیکن
فِي الْعِلْمِ : علم میں
وَالْمُؤْمِنُوْنَ : اور ایمان لانے والے
بِمَآ : اس پر جو
اِلَيْكَ : آپؐ کی طرف
اُنْزِلَ : اتارا گیا
وَالْمُقِيْمِيْنَ : اور قائم رکھنے والے ہوتے ہوئے
وَالْمُؤْتُوْنَ : اور پہنچانے والے
وَالْمُؤْمِنُوْنَ : اور ایمان لانے والے
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ : اور آخری دن پر
سَنُؤْتِيْهِمْ : ہم دیں گے جن کو

نوٹ : آیت ۱۶۰ میں یہودیوں کا ایک جرم یہ بتایا گیا ہے کہ یہ دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خود اللہ کے راستے سے منحرف ہونے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے میں اپنی تمام صلاحیتیں اور وسائل صرف کرتے ہیں' اور اس جرم پر یہ آج تک بڑی استقامت سے قائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے دنیا میں جب بھی کوئی تحریک اٹھتی ہے تو اس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ کام کرتا نظر آتا ہے (تفہیم القرآن)۔ آج کل امریکہ کی سربراہی میں اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی جو تحریک برپا ہے وہ بھی یہودی ذہن اور سرمائے کی پیداوار ہے۔

آیات ۱۶۳ تا ۱۶۹

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡكَ كَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ
وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ ۚ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ
زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَیۡكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ
مُوۡسٰی تَكۡلِیۡمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَكِیۡمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ یَشۡهَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ ۚ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ
یَشۡهَدُوۡنَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًا
بَعِیۡدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِیَهۡدِیَهُمۡ طَرِیۡقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیۡقَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا ﴿۱۶۹﴾

ط ر ق

طَرَقَ یَطْرُقُ (ن) طَرْقًا :(۱) ہتھوڑا مارنا' لوہا کاٹنا۔(۲) کسی چیز میں راستہ بنانا۔

طُرُوْقًا :رات میں آنا۔

طَارِقٌ (اسم الفاعل): رات میں آنے والا' ستارہ۔﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳﴾ (الطارق) ''اور تو نے کیا سمجھا کیا ہے رات میں آنے والا' (وہ ہے) تارا چمکنے والا۔''

طَرِیْقٌ مؤنث طَرِیْقَةٌ ج طَرَائِقُ : چلنے کا راستہ۔﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ﴾ (طٰہٰ:۷۷) ''پھر تو بنا ان کے لیے ایک راستہ سمندر میں۔''﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ (المؤمنون:۱۷) ''اور بے شک ہم نے تخلیق کیے ہیں تمہارے اوپر سات راستے۔''(۲) کوئی کام کرنے یا عمل کرنے کا طریقہ' راہ' مسلک' آیت زیر مطالعہ۔ اور﴿وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰی ۝۶۳﴾ (طٰہٰ) ''اور وہ دونوں لے جائیں تمہارے بے مثال چلن کو۔''﴿كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝۱۱﴾ (الجن) ''ہم تھے الگ الگ راہوں پر۔''

ترکیب :''اَلنَّبِیّٖنَ' اِلٰی '' پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔''اِلٰی اِبْرٰهِیْمَ'' کے بعد تمام پیغمبروں کے نام بھی''اِلٰی '' پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہیں۔ آیت ۱۶۴ میں دو مرتبہ اور ۱۶۵ میں ایک مرتبہ ''رُسُلًا'' آیا ہے' ان سے پہلے''كَانُوْا'' محذوف ہے۔ اس کا اسم اس میں''هُمْ'' کی ضمیر ہے اور''رُسُلًا'' خبر ہے۔''مُبَشِّرِیْنَ'' اور''مُنْذِرِیْنَ'' حال ہیں۔''حُجَّةٌ'' مبتدأ موخر نکرہ اور''یَكُوْنَ'' کا اسم ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو''بَاقِیًا'' ہو سکتی ہے۔

ترجمہ:

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ : بے شک ہم نے وحی کی
كَمَآ : جیسے کہ
اِلَیْكَ : آپؐ کی طرف
اَوْحَیْنَآ : ہم نے وحی کیا

اِلٰی نُوْحٍ :نوحؑ کی طرف	وَّالنَّبِیّٖنَ :اور نبیوں کی طرف
مِنْۢ بَعْدِہٖ:انؑ کے بعد	وَاَوْحَیْنَآ :اور ہم نے وحی کیا
اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ :ابراہیمؑ کی طرف	وَاِسْمٰعِیْلَ :اور اسماعیلؑ کی طرف
وَاِسْحٰقَ :اور اسحاقؑ کی طرف	وَیَعْقُوْبَ :اور یعقوبؑ کی طرف
وَالْاَسْبَاطِ :اور (ان کی) نسل کی طرف	وَعِیْسٰی :اور عیسیٰؑ کی طرف
وَاَیُّوْبَ :اور ایوبؑ کی طرف	وَیُوْنُسَ :اور یونسؑ کی طرف
وَھٰرُوْنَ :اور ہارونؑ کی طرف	وَسُلَیْمٰنَ :اور سلیمانؑ کی طرف
وَاٰتَیْنَا :اور ہم نے دیا	دَاوٗدَ :داوٗدؑ کو
زَبُوْرًا :زبور	وَرُسُلاً :اور (تھے) کچھ رسول
قَدْ قَصَصْنٰھُمْ :ہم نے بیان کیا ہے جن کا	عَلَیْكَ :آپؐ پر
مِنْ قَبْلُ :اس سے پہلے	وَرُسُلاً :اور (تھے) کچھ رسول
لَّمْ نَقْصُصْھُمْ :ہم نے نہیں بیان کیا جن کا	عَلَیْكَ :آپؐ پر
وَکَلَّمَ :اور کلام کیا	اللّٰہُ مُوْسٰی :اللہ نے موسیٰؑ سے
تَکْلِیْمًا: جیسے کلام کرتے ہیں	رُسُلاً :(وہ تھے) کچھ رسول
مُّبَشِّرِیْنَ: خوشخبری دینے والے	وَمُنْذِرِیْنَ :اور خبردار کرنے والے
لِئَلَّا یَکُوْنَ :تاکہ (باقی) نہ رہے	لِلنَّاسِ :لوگوں کے لیے
عَلَی اللّٰہِ :اللہ پر	حُجَّۃٌ:کوئی حجت
بَعْدَ الرُّسُلِ :رسولوں کے بعد	وَکَانَ اللّٰہُ :اور اللہ ہے
عَزِیْزًا :بالادست	حَکِیْمًا :حکمت والا
لٰکِنِ :لیکن	اللّٰہُ :اللہ
یَشْھَدُ :گواہی دیتا ہے	بِمَآ :اس کی جو
اَنْزَلَ:اس نے اُتارا	اِلَیْكَ :آپؐ کی طرف
اَنْزَلَہٗ :کہ اس نے اتارا اس کو	بِعِلْمِہٖ :اپنے علم سے
وَالْمَلٰٓئِکَۃُ :اور فرشتے	یَشْھَدُوْنَ :(بھی) گواہی دیتے ہیں
وَکَفٰی :اور کافی ہے	بِاللّٰہِ :اللہ
شَھِیْدًا :بطور گواہ کے	اِنَّ :بے شک
الَّذِیْنَ :جن لوگوں نے	کَفَرُوْا:کفر کیا
وَصَدُّوْا :اور روکے رہے	عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ :اللہ کے راستے سے

قَدْ ضَلُّوْا : وہ گمراہ ہوئے ہیں	ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا : دور کا گمراہ ہونا
اِنَّ : بے شک	الَّذِيْنَ : جنہوں نے
كَفَرُوْا : کفر کیا	وَظَلَمُوْا : اور ظلم کیا
لَمْ يَكُنِ : ہے ہی نہیں	اللّٰهُ : اللہ
لِيَغْفِرَ : کہ وہ معاف کرے	لَهُمْ : ان کو
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ : اور نہ ہی (یہ) کہ وہ ہدایت دے ان کو	طَرِيْقًا : کسی راہ کی
اِلَّا : سوائے	طَرِيْقَ جَهَنَّمَ : جہنم کی راہ کے
خٰلِدِيْنَ : ایک حالت میں رہنے والے ہیں	فِيْهَآ : اس میں
اَبَدًا : ہمیشہ	وَكَانَ : اور ہے
ذٰلِكَ : یہ	عَلَى اللّٰهِ : اللہ پر
يَسِيْرًا : آسان	

نوٹ : آیت ۱۶۵ میں فرمایا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ سلسلۂ نبوت و رسالت حجت نہیں ہے بلکہ اتمام حجت ہے۔ انسانوں پر اصل حجت ان کی فطرت کے داعیات اور فکر و عقل کی صلاحیتیں ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ اگر کسی انسان تک کسی نبی یا رسول کی دعوت نہیں پہنچی تب بھی وہ جواب دہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسانی فطرت خیر و شر کے شعور سے محروم نہیں ہے اور نہ ہی عقل حق و باطل کے امتیاز سے قاصر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے انسان کو عقل و فطرت کی راہنمائی کے ساتھ وحی اور انبیاء کی راہنمائی سے بھی نوازا تاکہ گمراہوں کے لیے کوئی ادنیٰ عذر بھی باقی نہ رہے۔ (تدبر قرآن)

آیات ۱۷۰ تا ۱۷۳

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى
مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝
لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ
عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

غ ل و

غَلَا يَغْلُوْ (ن) غُلُوًّا : تیر کو انتہائی دور تک پھینکنا' مبالغہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ن ك ف

نَكَفَ يَنْكُفُ (ن) نَكْفًا : ناک بھوں چڑھانا' بیزار ہونا۔

اِسْتَنْكَفَ (استفعال) اِسْتِنْكَافًا : باعث ننگ سمجھنا' عار سمجھ کر رکنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : پہلی آیت میں فعل امر ''فَاٰمِنُوْا'' کے بعد اور اگلی آیت میں ''اِنْتَهُوْا'' کے بعد ''خَيْرًا'' آیا ہے' اس سے پہلے ''فَيَكُوْنُ'' محذوف ہے۔ اس کا اسم اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے اور ''خَيْرًا'' اس کی خبر ہے۔ ''لَا تَقُوْلُوْا'' کا مفعول ہونے کی وجہ سے ''اَلْحَقَّ'' منصوب ہے۔ ''اَلْمَسِيْحُ'' مبتدأ ہے اور ''عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ'' اس کا بدل ہے۔ جبکہ ''رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اور ''كَلِمَتُهٗ'' اور ''رُوْحٌ'' اس کی خبریں ہیں۔ ''ثَلٰثَةٌ'' اگر ''لَا تَقُوْلُوْا'' کا مفعول ہوتا تو ''ثَلٰثَةً'' آتا۔ اس کی رفع بتا رہی ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں اسے direct tense میں نقل کیا گیا ہے (دیکھیں البقرۃ: ۵۸' ترکیب)۔ ''اَنْ يَّكُوْنَ'' کا اسم ''وَلَدٌ'' ہے اور خبر محذوف ہے۔ ''يَسْتَنْكِفُ'' کا فاعل ''اَلْمَسِيْحُ'' اور ''اَلْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ'' ہیں۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ : اے لوگو
الرَّسُوْلُ : یہ رسولؐ
مِنْ رَّبِّكُمْ : تمہارے رب کی طرف سے
خَيْرًا : (تو وہ ہوگا) بہتر
وَاِنْ : اور اگر
فَاِنَّ : تو یقیناً
مَا : وہ جو
وَالْاَرْضِ : اور زمین میں ہے
عَلِيْمًا : جاننے والا
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ : اے اہل کتاب!
فِيْ دِيْنِكُمْ : اپنے دین میں
عَلَى اللّٰهِ : اللہ پر
الْحَقَّ : حق کے
قَدْ جَآءَكُمْ : تمہارے پاس آ چکے ہیں
بِالْحَقِّ : حق کے ساتھ
فَاٰمِنُوْا : پس تم ایمان لاؤ
لَّكُمْ : تمہارے لیے
تَكْفُرُوْا : تم انکار کرو گے
لِلّٰهِ : اللہ ہی کے لیے ہے
فِي السَّمٰوٰتِ : آسمانوں میں ہے
وَكَانَ اللّٰهُ : اور اللہ ہے
حَكِيْمًا : حکمت والا
لَا تَغْلُوْا : تم مبالغہ مت کرو
وَلَا تَقُوْلُوْا : اور تم مت کہو
اِلَّا : سوائے
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ

الْمَسِيْحُ : مسیحؑ
رَسُوْلُ اللّٰهِ : (وہ) اللہ کے رسول ہیں
اَلْقٰىهَآ : اُس نے ڈالا جس کو
وَرُوْحٌ : اور ایک روح ہیں
فَاٰمِنُوْا : پس تم ایمان لاؤ
وَرُسُلِهٖ : اور اس کے رسولوں پر
ثَلٰثَةٌ : ''(کہ وہ) تین ہیں''
خَيْرًا : (تو وہ ہوگا) بہتر
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ : واحد الٰہ ہے
اَنْ : (اس سے) کہ
لَهٗ : اُس کے لیے
لَهٗ : اُسی کا ہے
فِي السَّمٰوٰتِ : آسمانوں میں ہے
فِي الْاَرْضِ : زمین میں ہے
بِاللّٰهِ : اللہ
لَنْ يَّسْتَنْكِفَ : ہرگز عار نہیں سمجھتے
اَنْ : (اس کو) کہ
عَبْدًا : ایک بندے
وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ : اور نہ ہی مقرب فرشتے
عَنْ عِبَادَتِهٖ : اس کی عبادت سے
فَسَيَحْشُرُهُمْ : تو وہ اکٹھا کرے گا ان کو
جَمِيْعًا : کُل کے کُل کو
اٰمَنُوْا : ایمان لائے
الصّٰلِحٰتِ : نیک
اُجُوْرَهُمْ : ان کے بدلے
مِّنْ فَضْلِهٖ : اپنے فضل سے
اسْتَنْكَفُوْا : عار سمجھ کر رکے
فَيُعَذِّبُهُمْ : تو وہ عذاب دے گا ان کو

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ : جو عیسیٰ ابن مریم ہیں
وَكَلِمَتُهٗ : اور اس کا فرمان ہیں
اِلٰى مَرْيَمَ : بی بی مریم کی طرف
مِّنْهُ : اس (کی طرف) سے
بِاللّٰهِ : اللہ پر
وَلَا تَقُوْلُوْا : اور تم مت کہو
اِنْتَهُوْا : تم باز آ جاؤ
لَّكُمْ : تمہارے لیے
اللّٰهُ : اللہ
سُبْحٰنَهٗٓ : وہ پاک ہے
يَّكُوْنَ : ہو
وَلَدٌ : کوئی اولاد
مَا : وہ جو
وَمَا : اور وہ جو
وَكَفٰى : اور کافی ہے
وَكِيْلًا : بطور کام بنانے والے کے
الْمَسِيْحُ : مسیحؑ
يَّكُوْنَ : وہ ہوں
لِلّٰهِ : اللہ کے
وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ : اور جو عار سمجھ کر رکے گا
وَيَسْتَكْبِرْ : اور بڑائی چاہے گا
اِلَيْهِ : اپنی طرف
فَاَمَّا الَّذِيْنَ : پس وہ لوگ جو
وَعَمِلُوا : اور عمل کیے
فَيُوَفِّيْهِمْ : تو وہ پورا پورا دے گا ان کو
وَيَزِيْدُهُمْ : اور وہ زیادہ دے گا ان کو
وَاَمَّا الَّذِيْنَ : اور وہ لوگ جو
وَاسْتَكْبَرُوْا : اور بڑائی چاہی
عَذَابًا اَلِيْمًا : ایک دردناک عذاب

وَّلَا يَجِدُوْنَ :اور وہ نہیں پائیں گے　　لَهُمْ :اپنے لیے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ :اللہ کے سوا　　وَلِيًّا :کوئی کارساز
وَّلَا نَصِيْرًا :اور نہ ہی کوئی مددگار

نوٹ ۱ : دین میں مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ دین میں جس چیز کا جو درجہ اور مقام ہے اس کو اس سے بڑھا دیا جائے۔ جو حکم مستحب کے درجہ میں ہے اسے فرض اور واجب کا درجہ دیا جائے۔ کسی فقیہہ یا مجتہد یا صحابیؓ کو امامِ معصوم بنا دیا جائے۔ اللہ کے نبی اور رسول کو شریک خدا یا خدا بنا دیا جائے۔ جس کی تعظیم مطلوب ہے اس کی عبادت شروع کر دی جائے۔ یہ اور اسی قبیل کی ساری باتیں غلو میں داخل ہیں۔ یوں تو اس غلو میں تمام اہل مذاہب مبتلا ہوئے ہیں' یہاں تک کہ ہم مسلمان بھی اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے' لیکن نصاریٰ کو اس فساد میں امامت کا درجہ حاصل ہے۔ (تدبر قرآن)

نوٹ ۲ : اس کائنات میں ہر چیز اللہ کے حکم سے ہی وجود میں آتی ہے۔ البتہ اس حکم پر عمل درآمد اس کے تخلیق کردہ کسی نظام کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر وجود میں آئے تھے' اس لیے كَلِمَتُهٗ کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ یہ بھی اللہ کا ہی فرمان تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود اللہ تعالیٰ کے کلمۂ کُن کا مظہر ہے۔

كَلِمَتُهٗ کی طرح اگر آگے رُوْحُهٗ آتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی یعنی اللہ کی روح ہیں' لیکن ضمیر کے ساتھ مِنْ کا اضافہ کر کے اس عقیدے کی نفی کر دی گئی اور واضح کر دیا گیا کہ ہر ذی روح کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

آیات ۱۷۴ تا ۱۷۶

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ :اے لوگو!
بُرْهَانٌ :ایک روشن دلیل
وَاَنْزَلْنَآ :اور ہم نے اُتارا
نُوْرًا مُّبِيْنًا :ایک روشن نور
اٰمَنُوْا :ایمان لائے
قَدْ جَآءَكُمْ :آ چکی ہے تمہارے پاس
مِّنْ رَّبِّكُمْ :تمہارے رب (کی طرف) سے
اِلَيْكُمْ :تمہاری طرف
فَاَمَّا الَّذِيْنَ :پس وہ لوگ جو
بِاللّٰهِ :اللہ پر

وَاعْتَصَمُوْا: اورانہوں نے مضبوطی سے پکڑا
فَسَيُدْخِلُهُمْ: تو وہ داخل کرے گا ان کو
مِّنْهُ: اپنے (پاس) سے
وَّيَهْدِيْهِمْ: اور وہ ہدایت دے گا ان کو
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا: ایک سیدھے راستے کی
قُلِ: آپؐ کہیے
يُفْتِيْكُمْ: فتویٰ دیتا ہے تم کو
اِنِ: اگر
هَلَكَ: ہلاک ہوا
لَهٗ: اس کی
وَّلَهٗٓ: اور اس کی
فَلَهَا: تو اس کے لیے ہے
تَرَكَ: اس نے چھوڑا
يَرِثُهَآ: وارث ہوگا اس عورت کا (یعنی بہن کا)
لَّمْ يَكُنْ: نہ ہو
وَلَدٌ: کوئی اولاد
كَانَتَا: وہ ہوں
فَلَهُمَا: تو ان دونوں کے لیے ہے
مِمَّا: اس میں سے جو
وَاِنْ: اور اگر
اِخْوَةً: بھائی بہن
وَّنِسَآءً: اور کچھ عورتیں
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ: دو عورتوں کے حصوں جیسا
اللّٰهُ: اللہ
اَنْ: کہ (کہیں)
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلِيْمٌ: جاننے والا ہے

بِهٖ: اس کو
فِيْ رَحْمَةٍ: رحمت میں
وَفَضْلٍ: اور فضل میں
اِلَيْهِ: اپنی طرف
يَسْتَفْتُوْنَكَ: یہ فتویٰ مانگتے ہیں آپؐ سے
اللّٰهُ: اللہ
فِي الْكَلٰلَةِ: کلالہ (کے بارے) میں
امْرُؤٌ: ایک مرد
لَيْسَ: نہیں ہے
وَلَدٌ: کوئی اولاد
اُخْتٌ: ایک بہن ہے
نِصْفُ مَا: اس کا آدھا جو
وَهُوَ: اور وہ مرد (یعنی بھائی)
اِنْ: اگر
لَّهَا: اس عورت کی
فَاِنْ: پھر اگر
اثْنَتَيْنِ: دو عورتیں (یعنی بہنیں)
الثُّلُثٰنِ: دو تہائی
تَرَكَ: اس نے چھوڑا
كَانُوْٓا: وہ لوگ ہوں
رِّجَالًا: کچھ مرد
فَلِلذَّكَرِ: تو مرد کے لیے ہے
يُبَيِّنُ: واضح کرتا ہے
لَكُمْ: تمہارے لیے
تَضِلُّوْا: تم گمراہ ہو جاؤ
بِكُلِّ شَيْءٍ: ہر ایک چیز کا

{تمّت سُورةُ النِّسَآء}

اللہ کے پسندیدہ ترین اعمال

مدرّس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ : اَیُّ اللّٰہِ تَعَالٰی؟ قَالَ : ((اَلصَّلَاۃُ عَلٰی وَقْتِھَا)) قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ ((بِرُّ الْوَالِدَ قَالَ : ((اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (۱)

ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کوسب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا''۔ میں سا؟ فرمایا: ''والدین سے حسن سلوک کرنا''۔ میں نے عرض کیا: پھرکون سا؟ تو آپؐ راستے میں جہاد کرنا۔''

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہیں جوجلیل القدر صحابی تھے سے تھے۔ مکہ میں یہ عقبہ بن ابی معیط کے مویشی چراتے تھے۔ یہ وہی عبداللہ ہیں کہ سفر رسول اللہ ﷺ نے ان سے دودھ مانگا تو انہوں نے انکار کیا کہ یہ بکریاں میری نہیں دودھ کی بھیڑ کو پکڑ لیا۔ اس کے خشک تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ بڑے ہو گئے اور ان میں آیا۔ پھراس بھیڑ کے تھن پہلے کی طرح خشک ہو گئے۔ عبداللہ بن مسعود ؓ نے مکہ میں قرآن مجید پڑھا۔ وہ ہجرتِ حبشہ میں شامل تھے۔ جنگ بدر میں ابوجہل زخمی ہوا تو عبد اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ آپؓ قرآن وسنت کے ممتاز عالم تھے۔ حدیث بیان کرنے

زیردرس حدیث میں حضرت عبداللہ ؓ کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: '' عمل نماز ہے' اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک اور پھر اللہ کی راہ میں جہاد۔''

رسول اللہ ﷺ نے نماز کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل بتایا۔ نماز کی ہوجاتی ہے کہ آپؐ نے کفر اور اسلام میں نماز کو فرق بتایا ہے۔ گویا نماز اسلام کی علامت نظروں میں اس قدر اہم تھی کہ آپؐ نے اس جہان سے رخصت ہوتے وقت صحابہ کر تلقین فرمائی۔ قرآن مجید میں بار بار اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے الفاظ آئے ہیں' جن کا مطلب رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق نمازی نماز میں اللہ تعالیٰ کی مناجات کرتا ہے۔ قر

(۱) صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلاۃ' باب فضل الصلاۃ لوقتھا۔ وصحیح باب بیان کون الایمان باللّٰہ تعالٰی افضل الاعمال؟

بندوں کی یہ صفت مذکور ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی نگہداشت کرتے ہیں۔(المؤمنون:۹) دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ اصل نمازی وہ ہیں جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں۔(المعارج:۲۳) یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ نماز کبھی پڑھ لی کبھی چھوڑ دی' بلکہ نماز پورے خلوص اور پابندیٔ وقت کے ساتھ ہر روز ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے۔نماز مسافر کو بھی معاف نہیں' بلکہ وہ قصر نماز ادا کرنے کا مکلّف ہے۔آپ ﷺ نے خود ساری زندگی پورے اہتمام کے ساتھ نماز ادا کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا پابند بنایا۔حدیث میں ہے کہ جزا وسزا کے دن سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوگا۔ ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلیں پرسش نماز بود

انسان خطا کا پتلا ہے۔اس سے گناہ کے کام بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز انسان کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتی ہے جس طرح موسم خزاں میں خشک ٹہنی کو ہلایا جائے تو اُس کے پتے گر جاتے ہیں۔''

نماز کی فضیلت اور اہمیت پر درجنوں احادیث مروی ہیں۔نماز صرف آخرت میں نجات کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اس کے دُنیوی فوائد بھی بہت سے ہیں۔صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے اور نماز کے لیے وضو پہلی شرط ہے۔اور وضو کیا ہے؟ ہاتھ' پاؤں' بازو' چہرے کو دھونا اور ناک میں پانی ڈالنا اور کُلّی کرنا۔گویا ایک دن میں پانچ نمازیں ہیں' ہر نماز میں اگر پانی کے ساتھ پاکیزگی اختیار کی جائے تو انسان کے بدن پر ذرّہ برابر میل کچیل نہ رہے گی۔مقررہ اوقات میں نماز پڑھی جائے تو پابندیٔ وقت عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور نمازی کے لیے اوقاتِ کار کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔اس طرح انسان نظم وضبط (ڈسپلن) کا پابند ہو جاتا ہے۔وہ اپنے ماحول سے باخبر رہتا ہے اور آپس میں پیار محبت کے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔

نماز سے غفلت رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا باعث اور دوزخیوں کی علامت ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥﴾ (الماعون) ''ان نمازیوں کے لیے بربادی ہے جو اپنی نمازوں میں سستی برتتے ہیں''۔واضح رہے کہ ''وَیل'' دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔سورۃ المدثر میں ارشاد ہے کہ جنت والے دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم جہنم میں کیوں ڈالے گئے؟ وہ پہلی بات یہ بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے!''(آیت ۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر آپؐ نے اللہ کی نظر میں دوسرا محبوب ترین عمل والدین کے ساتھ حسن سلوک بتایا۔والدین بڑی تکلیف اٹھا کر سالہا سال تک اپنے بچوں کو پالتے ہیں۔ان کے ساتھ لاڈ پیار کرتے ہیں' ان کو ضروریات بہم پہنچاتے ہیں' جبکہ وہ dependent ہوتے ہیں۔جب والدین اپنے بچوں پر اتنا احسان کرتے ہیں تو اولاد پر بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ بڑے ہو کر ان کے احسان مند ہوں' اپنی صلاحیتیں والدین کی بہبود کے لیے کام میں لائیں' ان پر اپنا وقت اور پیسہ قربان کریں۔اگر وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کا علاج معالجہ اور دوسری ضروریات خوش دلی کے ساتھ پوری کریں۔اگر وہ ارذل العمر کو پہنچ جائیں اور ایسی باتیں کریں جو اولاد کو ناپسند ہوں تو ایسے موقع پر بچے یاد رکھیں کہ یہ وہی والدین ہیں جنہوں نے ان پر اَن گنت احسان

کیے ہیں۔خود تکلیف برداشت کرتے تھے' مگر بچوں کو راحت پہنچاتے تھے۔

قرآن مجید میں والدین کے حقوق متعدد مقامات پر بڑے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں۔سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

﴿اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا۝۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۝۲۴﴾

''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف بھی نہ کہو اور نہ ان پر خفا ہو اور ان کے ساتھ ادب سے گفتگو کرو۔اور ان کے لیے ادب کا بازو محبت سے جھکائے رکھو اور ہمیشہ ان کے لیے یہ دعا کرتے رہو: اے میرے پروردگار! تو ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

یعنی کم سنی اور ناتوانی میں میری ہر طرح کی ضروریات پوری کیں اور میری سرپرستی کرتے ہوئے ہر طرح کے خطرات سے بچائے رکھا۔

والدین کی خدمت اور حسن سلوک تو اولاد پر ہر حال میں لازم ہے' خواہ والدین اچھے ہوں یا برے ہوں' مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ہاں اگر وہ اللہ کے احکام کے خلاف کوئی حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی' کیونکہ اللہ کا حکم سب پر فائق ہے' اطاعت مطلق تو اللہ اور اُس کے رسول ہی کی ہے۔بفحوائے قرآنی: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (محمد:۳۳) ''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''۔اگر والدین اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان کے خلاف حکم دیں تو اس کا انکار ضروری ہے۔سورۂ لقمان میں ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (آیت ۱۵) ''اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا' البتہ دُنیوی معاملات میں ان کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا'' والدین کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں اگر وہ اپنی کسی ضرورت کے لیے پیسوں کا تقاضا کریں تو ان کی مدد کر دینی چاہیے۔پس اللہ کے حکم کے خلاف والدین کی اطاعت جائز نہیں۔قرآن مجید میں جگہ جگہ والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم ہے۔شیر خوارگی میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی گود میں کلام کیا اور فرمایا: ﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝۳۱ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ﴾ (مریم) ''مجھے (اللہ تعالیٰ نے) نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔نیز یہ کہ اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہوں''۔والدین کے ساتھ حسن سلوک کا راستہ جنت کی طرف لے جاتا ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی' زبان درازی اور بے ادبی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ایک شخص کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تیرے ماں باپ تیری جنت ہیں یا پھر تیری دوزخ ہیں''۔(ابن ماجہ)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''باپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور باپ کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے''۔(ترمذی) گویا والد کو خوش رکھنا اولاد کی خوش بختی ہے اور باپ کو ناراض کرنا اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے۔اگرچہ ماں باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ادب واحترام کا رویہ رکھنے کا حکم ہے' تاہم ایک لحاظ سے

ماں کا مقام اولاد کے لیے باپ کی نسبت زیادہ افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اُس نے پوچھا: پھر اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اُس نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا باپ۔'' (بخاری و مسلم) اس لیے کہ ماں اپنے بچوں کے لیے بہت زیادہ تکلیف اور مشقت برداشت کرتی ہے اور اُس کی محبت بھی لامتناہی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین اعمال میں تیسرا عمل اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہونے کے ناطے انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے زندگی گزارے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس راہ میں جدوجہد کر کے دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے۔ دنیا میں انسان سراسر امتحان میں ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا والی زندگی گزارے گا وہ اگلی زندگی میں انعام و راحت پائے گا' بصورتِ دیگر سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود صراطِ مستقیم پر چلے اور گمراہوں کو سیدھی راہ کی طرف چلانے کی کوشش کرے۔ یوں مسلمان کی پوری زندگی جہاد کا مظہر ہے۔ اسے اپنی نفسانی خواہشات کو رضائے الٰہی کے تحت لانا ہے۔ شیطان کے حملوں سے بچنا ہے اور کفار کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا ہے تاکہ وہ اگلی زندگی میں عقوبت سے بچ سکیں۔

دنیا میں اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ (الحج:۷۸) ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے''۔

اگر مسلمان کے پیش نظر صرف اپنی نجات ہو تو اس کا ایمان ناقص ہے' کیونکہ اسے دوسروں کی ہمدردی بھی کرنا ہے اور انہیں راہ راست پر لانا ہے۔ اس کے لیے یہ قابل برداشت نہیں کہ کوئی فرد بشر اگلی زندگی میں سزا پائے۔ چنانچہ وہ دوسروں کو اسلام کی دعوت دے گا' کیونکہ نجات صرف اسلام میں ہے۔ اس عمل کا نام جہاد ہے۔ اسی کا حکم بار بار قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ سورۃ التوبۃ میں ارشاد ہے:

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ:۴۱)

''(اللہ کے راستے میں) نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔''

گویا صرف زبان کے ساتھ حق کی دعوت دینا کافی نہیں بلکہ غلبۂ اسلام کے لیے مال بھی خرچ کرنا ہوگا اور قوت بھی استعمال کرنا ہوگی۔ یہ حق پرست آدمی کا وطیرہ ہے اور یہی نجات کا باعث ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الصف)

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں المناک عذاب سے بچائے؟ (سنو) تم اللہ

پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم اس حقیقت کو جان لو۔''

اگر کوئی شخص اپنی ذات کی حد تک نیک راہ پر گامزن ہے' مگر اس کی زندگی میں دین اسلام کی سربلندی کے لیے کوئی جدّوجہد نہیں' گویا اسے دوسرے انسانوں کی نجات کی کوئی فکر نہیں' تو اُس کا ایمان ناقص ہے۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ جہاں اپنی نجات کی فکر ہو وہاں یہی چاہت دوسروں کے لیے بھی ہو۔

مختصر یہ کہ جہاد کا عمل اول اپنی ذات کی اصلاح اور اپنے نفس کو شیطانی اغوا سے بچانے کے لیے ہو' کیونکہ اپنی اصلاح کو نبی اکرم ﷺ نے بہترین جہاد قرار دیا ہے۔ اپنی ذاتی اصلاح کے بعد پھر مسلمان کی توجہ راہ گم کردہ لوگوں کی اصلاح پر مرکوز ہو۔ بدعملوں کو نیکی کی طرف بلانا بھی جہاد ہے اور کفار کو اسلام کی دعوت دینا بھی جہاد ہے۔ یہ جہاد زبان اور قلم سے بھی ہوگا اور مال سے بھی۔ اگر اس جدوجہد میں جان لڑانے کا موقع بھی آ جائے تو وہ مرغوب ہے۔ کیونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں جان دینے والے کو شہید کہا گیا ہے کہ وہ کامیاب ہو کر اگلی زندگی میں داخل ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴﴾ (البقرۃ) ''اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں''۔ شہید کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شہید کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔'' (مسلم) رسول اللہ ﷺ خود شہادت کی تمنا رکھتے تھے اور اس کی تلقین کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے دعا منقول ہے: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ)) ''اے اللہ میں تیرے راستہ میں شہادت کی تمنا کرتا ہوں''۔ گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز' والدین کے ساتھ حسن سلوک اور جہاد فی سبیل اللہ بہترین اعمال ہیں۔ ❁❁❁

بقیہ: قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کو جاگ کر بسر کرو اور اس کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ روایات میں آتا ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو نہ صرف آپ ﷺ اپنی کمر کس لیتے بلکہ گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا یہ معمول نہ تھا کہ گھر والوں کو تہجد کے لیے بیدار کیا جائے۔ اس لیے کہ رات کی نماز نفل ہے وہ کوئی خود اپنی مرضی سے پڑھنا چاہے' لیکن رمضان کا آخری عشرہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس عشرہ کی طاق راتوں میں جاگ کر لیلۃ القدر کو تلاش کرنا بہت فضیلت کا باعث ہے۔ اس رات میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہر اُس شخص کے لیے خصوصی رحمت لے کر آتے ہیں جو اس رات میں اپنے رب سے راز و نیاز کر رہا ہو۔ تسبیح و تحمید' توبہ و استغفار اور عبادت میں مصروف ہو۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ اگر مجھے لیلۃ القدر کی ساعت نصیب ہو جائے تو میں اپنے رب سے کیا دعا کروں؟ تو آپؐ نے یہ دعا تلقین فرمائی: ((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ)) (رواہ الترمذی) ''پروردگار! تو بہت معاف فرمانے والا' کرم کرنے والا ہے' اور معاف کرنا تجھے بہت پسند ہے' لہٰذا مجھے بھی معاف فرما دے!'' ❁❁❁

انجمن خدام القرآن (قرآن اکیڈمی) سندھ، کراچی

کے تحت

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ

قرآن فہمی کورس پارٹ I اور II

میں داخلوں کا اعلان

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لئے علومِ دینیہ کی تحصیل کا نادر موقع!

پارٹ I

- علم تجوید
- آسان عربی گرامر
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- ترجمۂ قرآن حکیم
- سیرت النبی ﷺ
- دورۂ ترجمۂ قرآن
- مطالعۂ حدیث
- عقیدہ وفقہ
- اسپیشل لیکچرز
- کلام اقبال

پارٹ II

- علم تفسیر
- علم حدیث
- علم فقہ
- اصولِ تفسیر
- اصول حدیث
- اصول فقہ
- عقیدہ
- عربی زبان وادب
- تحریکیات
- اضافی محاضرات

- پارٹ I اور پارٹ II دونوں ایک ایک سال کے دورانیے پر مبنی ہیں
- آغاز: 19 اگست 2013ء
- خواتین کے لئے شریعت کے مطابق باپردہ اہتمام
- پارٹ I میں داخلے کے لئے انٹرمیڈیٹ یا مساوی سند درکار ہوگی
- پارٹ II میں داخلے کے لئے پارٹ I یا مساوی سند لازمی ہے
- اہل طلبہ کے لئے مناسب اسکالرشپ
- شہر کے باہر سے آنے والے طلبہ کے لئے ہاسٹل اور میس کی عمدہ سہولت موجود ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ہاسٹل/میس کی سہولت قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں صرف حضرات کے لئے دستیاب ہے۔

اسی طرح فی الوقت پارٹ II کا کورس بھی صرف حضرات کے لئے یاسین آباد اکیڈمی میں منعقد کیا جا رہا ہے۔

تعارفی نشست:

بروز اتوار 18 اگست 2013ء صبح 9:00 بجے تا نماز ظہر

بمقام: قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 23-021-35340022

مقاماتِ تدریس:

1. قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 23-021-35340022
2. قرآن اکیڈمی یاسین آباد، شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی 021-36806561
3. قرآن مرکز گلستان جوہر، مسجد باب القرآن، سالکین بسیرا، بلاک 14 کراچی 021-34255995

مزید تفصیلات، پراسپیکٹس اور داخلہ فارم ویب سائٹ سے حاصل کریں

www.QuranAcademy.com

علّامہ اقبال کا خواب اور اُس کی قرآنی تعبیر

محمد احمد بلال

اس مضمون میں علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی فکر کے حوالے سے پاکستان کے مسائل کے حقیقی حل کی جانب توجہ مبذول کروائی جارہی ہے۔اس ضمن میں 'تاریخی نقطہ نظر' پر تفصیلی بحث ہے۔اقبال کے نزدیک فلسفۂ تاریخ کیا ہے؟ ہمارا historical perspective ناپید ہونے کے کیا نتائج ہوئے؟ قوموں کی زندگی میں تاریخ کے مطالعے کی کیا اہمیت ہے؟ نظریہ پاکستان کا ذکر خیر کرنے والے حضرات اور تنظیموں کو غور وفکر کی دعوت ہے کہ اقبال کے خواب کی تعبیر کہاں سے ملے گی؟ نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ کے mechanics کو اگر صحیح سمجھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مروّجہ مغربی جمہوریت کے راستے اقبال کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

تاریخ انسان کے مہذب معاشرتی دور کے ریکارڈ کو کہا جاتا ہے۔لیکن اگر تاریخ سے مراد وہ تمام عرصہ لیا جائے جو انسان نے کرۂ ارضی پر گزارا ہے' تو اس کا معاشرتی دور اس تمام کا دو فیصد ہی ہوگا(۱)۔ چنانچہ ایچ۔جی۔ویلز نے اپنی عالمی تاریخ کی کتاب Outline of the History کو بجا طور پر ابتدائے آفرینش سے شروع کیا ہے اور اس نے اپنے اس موقف کی تائید کے لیے فریڈرک راٹزیل کا قول نقل کیا ہے: ''نوعِ انسانی کی تاریخ کا فلسفہ جو واقعتاً اس نام کا مستحق ہو اس یقین سے پُر ہونا چاہیے کہ ہستی تمام کی تمام ایک ہی وحدت ہے۔وہ ایک ہی تصور ہے جو شروع سے آخر تک یکساں رہنے والے ایک ہی قانون پر قائم چلا آتا ہے۔''

لیکن کیا انسانی اعمال جن سے تاریخ کا تار و پود بنتا ہے کسی قاعدے یا قانون کے پابند ہیں؟ کیا ان کا کوئی مقصد ہے؟ کیا ان کی کوئی سمت یا منزلِ مقصود ہے؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ قومیں اور تہذیبیں کیوں اُبھرتی ہیں' کیوں مٹتی ہیں؟ کیا ان کے عروج و زوال کا کوئی اصول ہے؟ کیا کوئی قوم یا کوئی تہذیب ایسی بھی ہوسکتی ہے جو قوموں اور تہذیبوں کو مٹانے والے عوامل کی زد سے محفوظ رہ سکتی ہو؟ اور ارتقائے عالم کی منزلِ مقصود ہو؟ اس قوم کے اوصاف اور امتیازات کیا ہوں گے؟ کیا ہم ایسی قوم کو وجود میں لا سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے آپ کو ایسی قوم بنا سکتے ہیں؟(۲)

قرآن حکیم میں 'غوطہ زنی' کے نتیجے میں انسان کا جو world view بنتا ہے وہ ایک خاص طرزِ عمل کو پیدا کرتا ہے۔اور اگر ہم دقت نظر سے جائزہ لیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے سائنسی علوم کا منبع قرآن حکیم ہے۔تاریخ ان میں سے ایک علم ہے۔اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ لہٰذا

تاریخ اپنے عمل کو دہراتی ہے۔ایک مؤمن کے مطابق نہ تو تاریخ ازخود رواں ہے اور نہ اس کے مطالعہ اور ترجمانی کو الٰہی کارفرمائی سے علیحدہ کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ خالق کائنات ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ کا بھی خالق ہے۔اس کا دست قدرت ایک ایک لمحے اور ہر تاریخی واقعے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔تاریخ وہ میدان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی روبہ عمل آتی ہے اور اس کی کبریائی کا ظہور ہوتا ہے۔(۳)

آج کا انسان جس طرح اس کائنات پر غور وفکر کے نتیجے میں یہ جاننے میں کامیاب ہوا ہے کہ یہاں سائنسی قوانین کی عملداری کس طور سے ہوتی ہے' حالانکہ اس بنیادی نکتے کی جانب بہت کم توجہ ہوئی ہے کہ انسان کی سائنسی ترقی کے لیے orientation اس نے اسلام اور مسلم تہذیب سے حاصل کی ہے۔یہ بات ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اپنے مضمون ''اسلام اور سائنس'' میں بیان کی ہے۔اور حال ہی میں History of Science کے پروفیسر Dr. George Saliba نے بھی اس پر جامع تحقیق پیش کی ہے(۴)۔اسی طرح انسان اس نتیجے تک بھی پہنچ چکا ہے کہ تاریخ کی اپنی mechanics ہے۔چنانچہ آج دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں تاریخ کو ایک اہم مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ضرورت کا احساس اجاگر ہو چکا ہے کہ آج کے انسان کو آنے والے کل کی تاریخ لکھنے کے قابل ہونا چاہیے' یا کم از کم اپنی سوچ سے اس کا احاطہ کرنے کے۔چنانچہ تاریخ کو ایک سائنس کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔انسان نے یہ جان لیا ہے کہ مطالعہ تاریخ کی اصل افادیت اسی وقت ہے کہ اگر ہم آئندہ حالات کی پیشین گوئی کرسکیں۔اگر تاریخ ہمیں اس بات میں مدد نہیں دیتی کہ ہم آنے والے کل کا پتا چلاسکیں یا کم از کم آج کے انسان اور آنے والے دور کے انسان کے بارے میں جان سکیں تو پھر تاریخ ایک بیکار علم ہے۔کیونکہ سائنسی علوم کے لیے یہ لازمی ہے وہ ہمیں انسان کے بارے میں معلومات دے سکیں' مستقبل کے انسان کے حالات بتاسکیں اور آج اور آنے والے کل کے انسان کے نصب العین کا پتہ چلاسکیں۔لہٰذا ماضی کے انسان کے حالاتِ زندگی پر غور وفکر کرنا ہی وہ ابتدائی عمل ہے کہ جس سے بعدازاں ہم اپنے اور مستقبل کے بارے میں جانکاری حاصل کرسکتے ہیں۔(۵)

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے　　زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں بہت سے مؤرخین اور ماہرینِ عمرانیات نے مشہور مغربی انقلابات کا مطالعہ کیا' جن میں ۱۶۴۰ء کا English Revolution' ۱۷۷۶ء کا امریکی انقلاب' ۱۷۸۹ء کا فرانسیسی انقلاب' اور ۱۹۱۷ء کا روسی انقلاب قابل ذکر ہیں۔یہ مصنفین ان انقلابات کے process کے دوران پیش آنے والے مشترکات کی نشاندہی کرنا چاہتے تھے اور غیر معمولی طور پر ان میں سے ہر ایک میں اہم واقعات کے درمیان مطابقت تلاش کرنے میں کامیاب رہے۔اس تحقیق کی روشنی میں انقلاب کی ''قدرتی تاریخ'' کے بیشتر مشاہدات بعد ازاں اس قدر درست ثابت ہوئے کہ انہیں تجرباتی حقائق (empirical facts) اور عام قانونی اصولوں کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہے۔(۶)

فلسفہ تاریخ کا عام تصور تو یہ ہے کہ تاریخ پڑھ کر اس سے اُن اصولوں کا استنباط کیا جائے جن سے تاریخ کی

حرکت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سے ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں اور اکثر زمانوں میں انسانی تاریخ کے mechanics میں کوئی خرابی ہے' تو اصول سازی کے اس عمل کے نتیجے میں وہ خرابی اُصول میں بھی آجاتی ہے' کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تاریخ نے اُس وقت حرکت اس طرح کی اور اُس سے فلسفۂ تاریخ کے ماہر نے یہ نتیجہ نکالا کہ تاریخ یوں ہی حرکت کیا کرتی ہے۔ (۷) اس میں غلطی کا امکان اس لیے موجود رہے گا' کیونکہ زمان ومکان کے فرق سے ممکن ہے تاریخ کے فلسفی کی نظر سے بعض ضروری واقعات تشنہ رہ گئے ہوں۔ یہ بھی عین ممکن ہے کے واقعے کے راوی نے اپنے خاص نقطہ نظر یا افتادِ طبع سے اسے پرکھا اور بیان کیا ہو۔کوئی واقعہ ایک exceptional صورت حال میں پیش آیا ہو تو اس کی generalization کرنا کیسا ہے؟ممکن ہے واقعہ بیان کرنے والا جھوٹا ہو یا پھر وہ آدھا سچ بیان کر رہا ہو اور کچھ پوشیدہ رکھ رہا ہو۔ وقت کے ساتھ زبان اور اصطلاحات میں تغیّر بھی ایک عنصر ہے۔

لیکن جب اُصول کا تعین ہم قرآن حکیم سے کریں اور اس کا انطباق تاریخ پر کریں تو تاریخ کی حرکت سند نہیں بلکہ خدا کا کلام سند ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اُس ذات کے سامنے پورا تاریخی عمل نہ صرف یہ کہ آنِ واحد میں موجود ہے بلکہ وہ قادرِ مطلق ذات تاریخ کی خالق ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک قرآن سے ان اصولوں کا پتا چلتا ہے جن کی رو سے قوموں کی تقدیر کا فیصلہ ہوتا ہے اور جن کی بنا پر قوموں کی زندگی اور موت کی داستانیں مرتب ہوتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اقبال کے نزدیک قرآن کے اندر ایک ایسے فلسفہ تاریخ کے عناصر موجود ہیں جو قوموں کے عروج وزوال کے اسباب پر روشنی ڈالتا ہے۔اور اقبال کا یہ خیال درست ہے۔قرآن کا اپنا ایک فلسفۂ تاریخ ہے اور اس کا امتیاز یہ ہے کہ وہ درست ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم انسانی اعمال وافعال کی قوتِ محرکہ کا ایک ایسا نظریہ پیش کرتا ہے جو صحت اور معقولیت کے تمام معیاروں پر پورا اترتا ہے اور علمی دنیا پر قرآن حکیم کا یہ احسانِ عظیم ہے۔تاریخ کے فلسفی کا رول یہ ہے کہ وہ تاریخ کے حالات اور واقعات کا مطالعہ کر کے عمرانی تغیرات کے اصولوں کو دریافت کرے۔اس کی کاوشوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ قوموں اور تہذیبوں کا عروج وزوال کون سے قوانین کا پابند ہے اور ان کی بقا اور فنا میں کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔کیا کوئی تہذیب ایسی بھی ہوسکتی ہے جسے ہم حرکتِ تاریخ کی منزلِ مقصود قرار دے سکیں؟ جس پر زوال اور فنا کے عوامل اثر انداز نہ ہوں؟ اور جس کے لیے عروج اور بقا کے عوامل پوری شدت اور قوت سے اپنا کام کریں۔اگر کوئی تہذیب ایسی بھی ہوسکتی ہے تو اس کے لوازمات کیا ہیں؟ اور فلسفۂ تاریخ کا عملی فائدہ یہ ہے کہ اس کی روشنی میں قومیں زوال اور فنا کی راہوں سے بچ کو عروج وبقا کے راستوں پر گامزن ہوسکتی ہیں۔لیکن فلسفۂ تاریخ کا عملی فائدہ اسی صورت میں ایک حقیقت بن سکتا ہے جب فلسفۂ تاریخ صحیح ہو اور اس کے مطالعے سے درحقیقت قوموں کے عروج وزوال اور فنا وبقا کے صحیح قوانین کا پتا چلتا ہو اور قائم رہنے والی تہذیب کے لوازمات کا علم حاصل ہوتا ہو۔ (۸)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے مطابق فلسفۂ تاریخ کوئی الگ تھلگ فلسفہ نہیں ہوسکتا بلکہ ہمیں انسان کے اعمال

کی قوتِ محرکہ کے فلسفہ کو ہی فلسفۂ تاریخ کہنا پڑتا ہے۔ لہٰذا تاریخ کے فلسفی کے لیے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ انسان کی کون سی خواہش ہے جو اس کے اعمال کی قوتِ محرکہ ہے۔ اگر وہ اس خواہش کو جان اور پہچان لے تو پھر انسانی اعمال و اَفعال اور تاریخ کے سارے واقعات اور حالات کو ٹھیک طرح سے سمجھنے کے لیے ایک کلید ان کے ہاتھ آجاتی ہے اور وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ تاریخ کے واقعات میں‘ جس حد تک کہ وہ انسانی اعمال سے متشکّل ہوتے ہیں‘ کون سا اُصول کارفرما ہے۔ اب تک اس کی کارفرمائی کس طریق سے ہوتی رہی ہے اور آخر کار کیا نتائج پیدا کرے گی؟ چونکہ اسے معلوم ہوگا کہ تاریخ کے سارے عمل کا باعث انسان کی اس حکمران خواہش کی مکمل اور مستقل تشفی اور تسکین ہے‘ وہ عمل تاریخ کی غرض و غایت کو سمجھ سکے گا اور نوعِ انسانی کے مستقبل سے متعلق واضح نظریات بہم پہنچا سکے گا اور کسی قوم کے زوال کو عروج میں بدلنے کے لیے واضح تجاویز پیش کر سکے گا۔ اس کے تمام نتائج صحیح ہوں گے اور اس کا استدلال اندرونی تضادات سے پاک ہوگا۔

اس کے برعکس اگر تاریخ کا کوئی فلسفی یہ نہ جانتا ہو کہ انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ کون سی ہے تو چونکہ وہ انسانی نفسیات کے قوانین سے نابلد ہوگا‘ وہ تاریخ کے واقعات کو جو قوانین نفسیات کے قدرتی مظاہر ہیں‘ ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکے گا اور ان کو معنی خیز بنانے کے لیے اور ان کی تشریح کرنے کے لیے وہ بے بنیاد اور وہمی قوانین و اصول وضع کرے گا۔ ایک وقت وہ تھا جب انسان مادی قوانین سے نابلد تھا اور مادی دنیا کے قدرتی مظاہر مثلاً سورج یا چاند کا گرہن‘ چاند کا بڑھنا گھٹنا‘ بھونچال‘ آندھیاں‘ بجلی اور کڑکے‘ موسموں کا تغیّر وغیرہ کی تشریح کے لیے دیوتاؤں کے عمل دخل ایسے وہمی اسباب تلاش کیا کرتا تھا۔ لیکن مادی قوانین کے علم کے پھیل جانے کے بعد یہ توہمات خود بخود ختم ہو گئے۔ نفسیاتِ انسانی کے قوانین کی لاعلمی کی حالت میں انسانی دنیا کو سمجھنے کے لیے تاریخ کے ایک فلسفی کی ذہنی کوشش ایسی ہی پسماندہ اور مضحکہ خیز تھی جنہوں نے مادی قوانین کی لاعلمی کی حالت میں مادی دنیا کے مظاہر کو دیوتاؤں کے عمل دخل کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ اگر ہم تاریخ کے ایسے فلسفی کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرتے ہوئے اس حد تک جانا نہ چاہیں تو پھر بھی یہ بات ظاہر ہے کہ تاریخ کو ایسا فلسفی چونکہ تاریخی واقعات کے صرف ایک پہلو یعنی خارجی پہلو کو ہی دیکھتا ہے لہٰذا وہ ان سے صحیح نتائج اخذ نہیں کر سکتا۔ (۹)

اس حوالے سے ایک مغربی فلسفی کا قول بھی بیان کرنے سے تعلق رکھتا ہے:

"We may detect immediately a common assumption basic to all revolutions: the centrality of time and history and their real grip on the human being. Without this assumption, talk about revolution is idle." (۱۰)

کارل مارکس کہتا ہے کہ انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ اقتصادی ضروریات کی خواہش ہے۔ فرائیڈ کہتا ہے کہ انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ اس کی وہ خواہش ہے جسے جنسیت کہا جاتا ہے۔ ایڈلر کے مطابق یہ قوت غلبہ اور تفوق کی خواہش ہے۔ میکڈوگل کے مطابق انسان کے اعمال کو حرکت میں لانے والی خواہش ایک نہیں بلکہ تمام جبلتی خواہشیں ہیں۔ گویا ان تمام حکماء اور فطرتِ انسانی کے رموز و اسرار کا مطالعہ کرنے والے علماء کا خیال یہ ہے کہ انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ اس کی حیوانی جبلتوں میں سے کوئی ایک جبلت ہے یا تمام جبلتیں ہیں۔

انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ کے متعلق قرآن کا نظریہ ان تمام نظریات سے مختلف ہے۔ قرآن کے نزدیک انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ اس کی کوئی ایک جبلت یا بہت سی جبلتیں نہیں بلکہ خود تصورِ حسن و کمال یا نصب العین کی خواہش ہے (یعنی انسان کی شخصیت کا سب سے potent feature جو اس کے تمام افعال کا محرک ہے، وہ کسی آدرش کی محبت ہے) اور جو دورِ حاضر کے تمام حکماء کے نزدیک بھی انسان کو حیوان پر امتیاز بخشتی ہے، اور قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ نصب العین جو اس خواہش کو مستقل اور مکمل طور پر مطمئن کرتا ہے خدا کا نصب العین ہے۔ (۱۱)

اس خواہش کی تشفّی کا ہی دوسرا نام دین کی پیروی ہے، اور یہی عبادت ہے، جسے قرآن انسان کی پوری فطرت قرار دیتا ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا اور جو کسی حالت میں تبدیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ﴾ (الروم: ۳۰)

''(اے نبی ﷺ!) پس اللہ کے دین پر یکسوئی سے قائم رہو۔ یہ وہی فطرت ہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے پیدا کردہ پیدائشی تقاضے بدلا نہیں کرتے، لہٰذا یہ دین پکی بنیاد پر ہے۔''

ایک اور اہم بات لائق توجہ ہے کہ چونکہ تاریخ کو بطورِ علم اس بات پر انحصار ہے کہ اس کا تمام مواد سانحوں اور واقعات سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا واقعات کی صحت کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا بیان کرنے والا کون ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶﴾ (الحجرات)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔''

قرآن نے ہمیں تاریخ پر تنقید کا بنیادی اصول دیا ہے۔ چونکہ تاریخ کی بطور سائنسی قطعیت کی شرط یہ ہے کہ بیان شدہ حقائق جن سے تاریخ کا مواد مرتب ہوتا ہے وہ مکمل طور پر درست ہوں اور حقائق کے درست علم کا دارومدار بالآخر ان پر ہے جو ان کو بیان کرتے ہیں۔ تاریخ پر تنقید کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ان حقائق کو بیان کرنے والوں کی شہادت کے سلسلے میں ان کا ذاتی کردار اہم گردانا جائے۔ (۱۲) قرآن مجید اس بات سے صرفِ نظر نہیں کرتا کہ ایک بات کون کر رہا ہے، یعنی صرف اتنا سمجھنا کافی نہیں ہے کہ بات کیا ہو رہی ہے، بلکہ کلام کے حقیقی معنی متکلّم کی معرفت سے پیدا ہوتے ہیں، نہ کہ اس کے الفاظ سے۔

قرآن اپنے مفکّر کو ایسے ذرائع بہم پہنچاتا ہے جن کو بروئے کار لا کر موجودہ اور مستقبل کے challenges کا سامنا کیا جا سکے، ان کے اسباب و علل جان کر حقیقی حل بتایا جا سکے۔ مثال کے طور پر اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

''تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ حائلی مملکتیں (Buffer States) عظیم سیاسی وحدتوں کی صورت اختیار کرنے میں ہمیشہ ناکام رہی ہیں۔ ملک شام، جو کہ سلطنتِ روما اور اہلِ فارس کے درمیان ایک حائلی مملکت تھی، اس صورت حال سے دوچار رہا۔ لہٰذا افغانستان کے مستقبل کے بارے میں پیشین گوئی کرنا دشوار ہے۔'' (۱۳)

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اقبال کا تاریخی نقطہ نظر قرآن ہی کی بدولت بنا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''میں گزشتہ بیس برس سے قرآن شریف کا بغور مطالعہ کرتا ہوں۔ ہر روز تلاوت کرتا ہوں' مگر میں ابھی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کچھ حصوں کو سمجھ گیا ہوں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور فرصت ہوئی تو میں ایک دن کامل تاریخ اس بات کی قلمبند کروں گا کہ دنیائے جدیدہ اس مطمحِ حیات سے کس طرح ترقی کرتی ہوئی بنی ہے جو قرآن شریف نے ظاہر کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یونیورسٹی ایسے لوگوں کی ایک تعداد پیدا کردے گی جو مطالعہ قرآن میں اپنی زندگیاں صرف کردیں گے''۔ (۱۴)

اسلام اپنے ماننے والوں پر زور دیتا ہے کہ وہ انسانی زندگی کے محض ظاہری خدوخال کو نہ دیکھیں' بلکہ ان واقعات کے اندرونی محرکاتِ عمل (undercurrents) کی جانب توجہ مبذول کرواتا ہے جن کی وجہ سے وہ رونما ہوئے ہیں۔ تاریخی حوالہ جات اور ماضی کے واقعات جو کہ قرآن میں دیے گئے ہیں' اس قدر تفصیلی تو نہیں کہ حقائق کے متلاشی ذہن میں موجود تمام تر خلا کو پُر کردیں' البتہ ان واقعات کی مدد سے ہم اپنی معلومات کو منظّم کرسکتے ہیں' ان کی عمومی تشکیل (generalization) کرسکتے ہیں اور ان میں سبق آموزی بھی ہے۔ یہ غیر معمولی واقعات کا انتخاب کرکے ان کی اخلاقی قوانین کی روشنی میں ترجمانی کرتا ہے اور اخلاقی فیصلوں کے مطابق ان کے مستقبل کا تخمینہ لگاتا ہے۔ اور اس تمام عمل میں بنی نوع انسان کی تقدیر کے بارے میں اہم سوالات کے جواب فراہم کرتا ہے۔ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے تاریخی حقائق کی جانب اسلام کا یہ رویہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ (۱۵) قوموں کا عروج وزوال قدرت کے قانونِ اٹل سے منسلک ہوتا ہے۔ تاریخ ہمیں اس کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے کہ فلاں قوم نے جب حکم خداوندی کے مطابق معاشرہ قائم کیا تو اس کا نتیجہ اچھا ہوا۔ جب اس نے روگردانی کی تو اس کا انجام کیا ہوا۔ قرآن 'ایام اللہ' کو اس مقصد سے بیان کرتا ہے کہ ہم دنیا میں اپنا مقام سمجھ سکیں اور زمانے کے حالات کی درست ترجمانی کرسکیں۔ اور ایسا اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ''اللہ کے دنوں'' اور ''اُس کی آیات'' کو یوں اپنے اندر اتنا گہرا اُتار لیں کہ وہ ہماری آنکھوں کا کام دینے لگیں۔ واقعات کے بین السطور جھانکنے اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝﴾ (ابراھیم)

''ہم اس سے پہلے موسیٰؑ کو بھی اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیج چکے ہیں (اسے بھی ہم نے حکم دیا تھا) کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ اور انہیں ایام اللہ کے ذریعے سے نصیحت کرو۔ بیشک ان میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو خوب صبر اور شکر کرنے والا ہو۔''

اللہ کے دنوں سے مراد تاریخ کے وہ سنگ ہائے میل ہیں جو اس کی حرکت پذیری کے حقیقی اسباب (cause and effect relation) کو اپنے مفکّر پر واضح کرتے ہیں اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح باری تعالیٰ نے کئی مرتبہ تاریخ کی سمت کو درست (Divine Intervention) کرکے صراطِ مستقیم کی جانب موڑا ہے۔ قرآنی فکر انسان کے قلب وذہن میں یوں جذب ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف پیش آمدہ اہم واقعات کو سمجھ

لے بلکہ اس تاریخ کے تحرک میں حق کی کارفرمائی بھی اس پر واضح ہو جائے۔ (۱۶)

بعض مؤرخین تاریخ کو ایک ایسے انداز میں بیان کرنے پر مصر ہیں کہ جیسے یہ محض ماضی کے گم گشتہ واقعات ہوں، یعنی پچھلے لوگوں کو قصے اور محض عجائب گھر میں سجانے کے قابل اشیاء کا تعارف۔ تاریخ کے بارے میں یہ نقطہ نظر ہی معاشروں کے اپنے تاریخی نقطہ نظر (Historical Perspective) کو ناپید کر ڈالنے کا نتیجہ بنا ہے (۱۷)۔ لوگوں کو ان کے ماضی سے الگ تھلگ کر دیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اپنے حال ہی میں مست رہنے کے لیے ہیں اور انہیں اپنی تقدیر کے فیصلوں میں تاریخ کے کردار کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ ''تاریخی نقطہ نظر'' سے مراد کسی موضوع کو اس کے ابتدائی مراحل اور بعد ازاں اس کے ارتقائی منازل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔

ہمارے یہاں مذہبی مدارس میں تو تاریخ بطورِ نصاب سرے سے پڑھائی ہی نہیں جا رہی اور سیکولر تعلیمی اداروں میں بھی اس کی تدریس ناقص ہے، حالانکہ تاریخ کی اہمیت قوموں کے لیے ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص کے لیے اس کی یادداشت اہم ہے۔ اگر ایک شخص کی یادداشت کھو جائے تو اسے کچھ بجھائی نہیں دے گا کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اُس کا کس سے تعلق ہے اور اس کا کون سا راستہ تھا جو وہ بھول گیا ہے۔ نظام تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم ایسے سماجی عمل میں اپنا کردار سمجھیں جس کے ذریعے آنے والی نسلیں اپنی قومی تاریخ کے ساتھ ایک نظریاتی وابستگی قائم کر سکیں، اور انہیں سوچنے اور عمل کرنے کے اس خاص انداز سے بہرہ ور کیا جائے جو کہ قومی تاریخ اور ثقافت کے اصولوں اور قوانین سے مطابقت رکھتے ہوں۔ (۱۸) ایک ایسے تعلیمی نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے اس ملک کا اسلامی نظریہ، جس کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام الناس کے اجتماعی شعور میں جاگزیں ہونا چاہیے تھا، خود ہی ایک متنازعہ مسئلہ بن چکا ہے۔ ہمارے یہاں کا ایک معتدل پڑھا لکھا انسان بھی مسائل کے عارضی، سطحی، فوری، مروّجہ آسان اور سستے حل کی جانب جھکاؤ رکھتا ہے۔ ہمارے معروف دانشوروں کے تبصروں میں عجلت پسندی جھلکتی ہے اور اکثر اوقات تضاد نظر آتا ہے کہ ان کا perspective تنگ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ جو سمجھ آتی ہے وہ یہی کہ ہر واقعے اور مسئلے کو اس کی ظاہری بناوٹ کے مطابق نیا سمجھ کر اور تاریخ سے disconnect کر کے treat کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ تاریخ سے میری مراد محض ماضی قریب نہیں بلکہ تمام کی تمام تاریخ ہے۔ عام طور پر یہ حضرات ماضی کو اساطیر الاوّلین قرار دے کر بحث سے باہر کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی مثال دی بھی جائے تو ماضی قریب یا زمانۂ حال ہی کے کسی دوسرے ملک کی جس میں خاطر خواہ ابہام ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تاریخ سے رشتہ قائم کرنا عقل مندی ہی نہیں ہے۔ غالباً historical consciousness کی عدم موجودگی کی وجہ established paradigm میں اس کی گنجائش نہ ہونا ہے۔ جیسا کہ مشہور امریکی ماہر عمرانیات George Ritzer کہتا ہے:

All intellectual fields are profoundly shaped by their social settings.

اور ایک برطانوی مصنفہ لکھتی ہیں:

In capitalist society, we are taught history at school from the standpoint and interests of the ruling class; ie . the capitalist

class.The university historians who write school text books pretend to be objective and factual, when in most cases they are interpreting historical events and struggles from the standpoint of capitalism. A revolutionary party therefore has to carry out a different type of education entirely. (۱۹)

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر　　کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

Thomas Kuhn جو کہ Philosopher of Science ہے' وہ یہ کہتا ہے کہ Science has a social dimension۔ لہٰذا سائنسی تحقیق اور ترقی (Research & Development) کے بھی وہ میدان ترجیحاً اختیار کیے جاتے ہیں جو سرمایہ دارانہ جمہوریت سے مطابقت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ پاکستان میں تحقیق کے اندر ٹیکنالوجی کی دریافت اور اسی میں ترقی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مگر Social Sciences کا حال یہ ہے کہ عالمی اداروں کے سودی قرض کے ساتھ معاشی و معاشرتی ماہرین بھی درآمد کئے جاتے ہیں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا　　اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا　　آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا　　زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا (۲۰)

اور

فرد چوں پیوندِ ایامش گسیخت　　شانۂ ادراکِ او دندانہ ریخت

''جب فرد کا تعلق اُس کے ماضی سے نہ رہے تو اس کی فہم و فراست کی کنگھی کے دندانے گر جاتے ہیں۔''

قوم روشن از سوادِ سرگزشت　　خود شناس آمد ز یادِ سرگزشت

''قوم اپنی تاریخ سے روشنی حاصل کرتی ہے اور اپنی روایات کی یاد سے اس کے اندر خودشناسی پیدا ہوتی ہے۔''

سرگزشتِ او گر از یادش رود　　باز اندر نیستی گم می شود

''اگر تاریخ کی سرگزشت اس کی یاد سے محو ہو جائے تو وہ پھر نیستی میں گم ہو جاتی ہے۔''

نسخہ بودِ ترا اے ہوشمند　　ربطِ ایام آمدہ شیرازہ بند

''اے عقلمند! تیری زندگی کا نسخہ یہ ہے کہ تو اپنے گزشتہ واقعات کی شیرازہ بندی کرے۔'' (۲۱)

محراب و منبر سے مسلمانوں کے ماضی کے قصے تو سنائے جاتے ہیں' اَسلاف کا ذکر خیر بھی ہوتا ہے' لیکن بالکل سرسری انداز میں اور سبق آموزی کو بالائے طاق رکھ کر۔ جس سے حاضرین میں کچھ تعصب تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن کوئی line of action سمجھ میں نہیں آتی۔

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟　　ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو !

ایک گروہ ہمارے یہاں تاریخی واقعات کی سطحی تشریحات کرنے میں اتنا جری اور غیر محتاط ہے کہ خیر القرون کی عظیم ہستیوں کو نشانہ بناتا ہوا نہیں تھکتا۔ ان کے بارے میں زبان درازی اور بعض اوقات شب و ستم سے بھی گریز نہیں کرتا۔ تاریخ کا ان کے یہاں superficial اور بالکل subjective نقطۂ نظر

ہے۔اکثر اوقات محض بیان کردہ لفاظی سے ہی واقعے کی پوری منظر کشی کر دیتے ہیں۔ان کے سامعین بھی رقت جذبات سے لبریز ہوتے ہیں لہٰذا زیادہ تفصیلی دلائل کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔تاریخ کی یہ تعبیر بعض اوقات قرآنی حقائق کی نفی کر رہی ہوتی ہے' لہٰذا اب قرآن کی باطنی تعبیریں کرنا پڑتی ہیں۔

ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت　　خدا و جبرئیل و مصطفیٰؐ را

بعض مخلص مگر نادان حضرات تاریخ کے عمل سے نابلد ہونے کی وجہ سے پورے course of life کو پیچھے لوٹانے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔یہ escapist tendency ہے۔جیسا کہ فرانسیسی انقلاب کے بعد جو social disorder آیا اس سے بیزار ہو کر بعض اوسط درجے کے مفکرین اس تمام سماجی عمل کو واپس قرونِ وسطیٰ کے ''پُرامن'' دور کی جانب لوٹانے کے خواہش مند تھے۔لیکن زیادہ باریک بینی سے جائزہ لینے والے مفکّرین نے خرابیوں کی نشاندہی کے باوجود اس بات پر زور دیا کہ اتنی ہمہ گیر سماجی تبدیلی آجانے کے بعد واپسی ممکن نہیں۔چنانچہ انہوں نے سماج کی تشکیل کی خاطر نئی بنیادیں تلاش کرنے کی کاوش کی۔یہی اپروچ اقبال کے یہاں بھی ملتی ہے کہ مغربی اقوام کی اندھا دھند تقلید' مادیت پرستی اور الحاد کا مقابلہ محض conservative criticism سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ فکر اسلامی کی تشکیلِ جدید کرنا ہوگی۔

اقبال نئی نسل کو نصیحت کرتے ہیں:

''ایک بات جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں وہ ہمارا انکشافِ ماضی ہے۔میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو صرف اپنے ماضی سے محبت کرتے ہیں۔میں تو مستقبل کا معتقد ہوں۔مگر ماضی کی ضرورت مجھے اس لیے ہے کہ میں حال کو سمجھوں۔اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ سرچشمہ تہذیب و شائستگی کو سمجھا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آج دنیائے اسلام میں کیا ہو رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ماضی کو سمجھیں۔چونکہ ہم جدید تہذیب و شائستگی کے اصولوں سے ناواقف ہیں اس لیے ہم علوم جدیدہ کو حاصل کرنے میں دیگر اقوام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ آپ ان گم گشتہ رشتوں پر نظر ڈالیں جن کے ذریعے سے ہم ماضی و مستقبل سے وابستہ ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ علوم جدیدہ پر اصول استقرائی عائد کیا گیا ہے۔یہ وہ نعمت ہے جو قرآن شریف نے دنیا بھر کو عطا فرمائی ہے۔اس طریقہ استقرائی کے نتائج و ثمرات ہم کو آج نظر آ رہے ہیں۔(۲۲)

چیست تاریخ اے زخود بیگانۂ　　داستانے قصۂ افسانۂ؟

''اے اپنے آپ سے بے خبر! تاریخ کوئی داستان' قصہ یا افسانہ نہیں۔''

ایں ترا از خویشتن آگہ کند　　آشنائے کار و مردِ رہ کند

''بلکہ یہ وہ چیز ہے جو تجھے اپنے آپ سے آگاہ کرتی ہے اور تجھے مردِ کار اور مردِ راہ بناتی ہے۔''

روح را سرمایۂ تاب است ایں　　جسمِ ملّت را چو اَعصاب است ایں

''تاریخ روح ملت کی قوت کا سرمایہ اور اس کے بدن کے لیے بمنزلہ اعصاب ہے۔''

ہمچو خنجر برفسانت می زند　　باز بر روئے جہانت می زند

''وہ تجھے خنجر پرسان کی طرح تیز کرتی ہے اور پھر دنیا کے مقابلے میں آزماتی ہے۔''

وہ چہ سازِ جاں نگار و دل پذیر نغمہ ہائے رفتہ در تارش اسیر

''واہ تاریخ کیسا جان افروز اور دل پذیر ساز ہے، جس کے تار میں گزشتہ نغمے اسیر ہو جاتے ہیں۔''

شعلۂ افسردہ در سوزش نگر دوش در آغوشِ امروزش نگر

''اس کے سوز میں ماضی کے بجھے ہوئے شعلے دیکھ اور اس کے آج میں گزشتہ کل کا نظارہ کر۔''

شمع او بختِ امم را کوکب است روشن از وے امشب و ہم دیشب است

''اس کی شمع قوموں کے نصیب کا ستارہ ہے، جس سے آج اور کل کی راتیں روشن ہوتی ہیں۔''

چشمِ پُر کارے کہ بیند رفتہ را پیشِ تو باز آفریند رفتہ را

''وہ ہوشیار آنکھ جو ماضی کو دیکھتی ہے وہ تیرے سامنے اسے دوبارہ زندہ کر دیتی ہے۔''

بادۂ صد سالہ در مینائے او مستیٔ پارینہ در صہبائے او

''تاریخ کی صراحی میں ایسی پرانی صد سالہ شراب موجود ہے جس کے اندر ماضی کی مستی محفوظ ہے۔''

صید گیرے کو بدام اندر کشید طائرے کز بوستانِ ما پرید

''تاریخ وہ شکاری ہے جو اس پرندے کو اپنے دام میں لے آتی ہے جو ہمارے باغ سے اُڑ چکا ہے۔''

ضبط کن تاریخ را پایندہ شو از نفسہائے رمیدہ زندہ شو

''تاریخ کو محفوظ کر کے پائندہ اور گزرے ہوئے سانسوں سے زندہ ہو جا۔''

دوش را پیوند با امروز کن زندگی را مرغِ دست آموز کن

''ماضی کا تعلق حال سے جوڑ لے اور زندگی کو اپنا پالتو پرندہ بنا لے۔''

رشتۂ ایّام را آور بدست ورنہ گردی روز کور و شب پرست

''ایام کے رشتے کو اپنے ہاتھ میں مضبوط پکڑ ورنہ تو دن کا اندھا اور رات کا پجاری بن کے رہ جائے گا۔''

سرزند از ماضیٔ تو حالِ تو خیزد از حالِ تو استقبالِ تو

''تیرا حال تیرے ماضی سے پیدا ہوتا ہے اور تیرا مستقبل تیرے حال سے۔''

مشکن ار خواہی حیاتِ لازوال رشتۂ ماضی زاستقبال و حال

''اگر تو حیاتِ لازوال چاہتا ہے تو ماضی کا رشتہ حال و مستقبل سے قطع نہ کر۔''

موجِ ادراکِ تسلسل زندگی است مے کشاں را شورِ قلقل زندگی است

''زندگی تسلسلِ واقعات کے فہم کی موج ہے، جیسے مے کشوں کے لیے شورِ قلقل زندگی ہے۔''(۲۳)

ابن خلدون سے لے کر ٹائن بی تک نے قوموں کے زوال کی توجیہہ کی ہے۔ تمام فلسفی تاریخ زوال کی توجیہہ کرتے ہیں۔ ابن خلدون نے بتایا کہ جب عصبیت زائل ہو جائے تو قوم میں زوال آ جاتا ہے، لیکن عصبیت دوبارہ پیدا کرنے کی کیا شکل ہوگی؟ ٹائن بی نے بتایا کہ اگر معاشرے میں response پیدا ہونا ختم ہو جائے تو زوال پیدا ہو جاتا ہے، تو اُن سے پوچھا جائے کہ response کیسے پیدا ہوتا ہے؟ مقصد کسی کے زوال کی توجیہہ

کر لینا ہی نہیں ہے۔ کارل مارکس کہتا ہے:

The philosophers have only interpreted the world in various ways—the point however is to change it. (۲۴)

دنیا میں صرف ایک کتاب ایسی ہے جو زوال کی ٹھیک توجیہہ ہی نہیں کرتی' زوال سے نکلنے کا درست راستہ بھی بتاتی ہے اور وہ کتاب ہے قرآن کریم' اور اُسی کے سائے میں ہم آج بھی زوال سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ سکتے ہیں۔

چوں سرمۂ رازی راازدیدہ فروشستم تقدیرِ اُمم دیدم پنہاں بکتاب اندر! (اقبال)

مصور پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال کا خواب جس کی تعبیر ڈھونڈتے ہمیں تقریباً پون صدی بیت چکی:

''میں ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے ایک متحدہ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اس سے ایک جانب تو ہندوستان کے اندر طاقت کے توازن کی بدولت امن وامان قائم ہو جائے گا' اور اسلام کے لیے ایک موقع فراہم ہو جائے گا کہ وہ اُن اثرات سے آزاد ہو جائے جو عرب شہنشاہیت کے دور میں اس پر پڑ گئے تھے' اور اپنے قوانین' اپنی تعلیم اور اپنی ثقافت کو حرکت میں لا کر اسلام کی اصل روح کا عصر جدید سے رابطہ قائم کر سکے''۔ (۲۵)

اور آج جس درجے کنفیوژن ہے اس حوالے سے کہ پاکستان قائم کیوں ہوا تھا اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کہ سب سے بڑا کنفیوژن اس امر سے پیدا ہوا کہ پاکستان کی تخلیق تو ہوئی تاریخ کی ان قوتوں کے ذریعے جو اوپر سے متعین ہوتی ہیں' اور اس کی تعبیر کی گئی ان قوتوں کے ذریعے جو ادنیٰ درجے سے پیدا ہوئیں۔ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کے زمانے کا قصہ ہے کہ دو عورتیں ایک بچے کو لے کر پہنچیں۔ ایک کہنے لگی یہ بچہ میرا ہے اور دوسری نے کہا کہ اس کا ہے۔ اسی طرح محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ کے ایوان میں آج دین اور ریاست اپنے بچے کو یعنی فرد کو لے کر پہنچی ہوئی ہیں۔ اصل ماں اس کی دین ہے جس کا جی نہیں چاہتا کہ اسے دو ٹکڑے کر دیا جائے' جبکہ ریاست اس بات پر مصر ہے کہ یہ بچہ اُس کا ہے اور اگر آدھا بھی مل جائے تو کافی ہے۔ اس کے پیچھے درحقیقت اُلجھن یہ ہے جو سمجھ میں نہیں آتی کہ اصل کنفیوژن ذہنوں میں تصورِ انسان کے بارے میں ہے۔ اگر آپ کا تصور انسان یہ ہے کہ انسان ایک سماجی حیوان ہے تو آپ اس کے علاوہ کسی اور نتیجے پر پہنچ ہی نہیں سکتے کہ مغربی طرز جمہوریت کے علاوہ پاکستان کو چلایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کا تصور یہ ہے کہ انسان ایک معاشی حیوان ہے تو اشیاء اور خیالات کی منطق آپ کو اس کے علاوہ کسی نتیجے پر پہنچنے نہیں دے گی کہ پاکستان کا مستقبل مارکسزم ہے۔ لیکن اگر آپ کا تصور یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہے تو آپ کے ذہن کی منطق اور آپ کا پورا استدلال آپ کو مجبور کر کے یہاں لے جائے گا کہ اس مملکت کا مقصود اور اس کی بنیاد' اس کا روٹ اور اس کا کراؤن دونوں غیر مذہبی کسی طرح نہیں ہو سکتے' اس لیے کہ دین آدھے پونے چوتھائی آدمی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ: Absoluteness of Truth demands totality of Faith.(۲۶) اس قسم کے نظریاتی اور فلسفیانہ اختلافات کا کیا ممکنہ حل ہے؟

"Many philosophical contradictions cannot be fully resolved

through intellectual debates, but they call for addressing the concrete social, political, and economic conditions, that have given rise to---or are reflected in---such contradictions. Yet changing the world in a concrete sense is hardly possible without re-interpreting it in fresh ways, and therefore the difference between "interpreting the world" and "changing the world" can be seen as only a matter of emphasis." (۲۷)

۶۵ سال کے بعد یہ جائزہ لینا ضروری ہے ہم نے اپنی منزل کی جانب کتنا فاصلہ طے کیا؟ وقت گزرنے کے ساتھ یہاں کے عوام وخواص کی اس ملک سے وابستگی بڑھی ہے یا کم ہوئی ہے؟ وہ کس حد تک اس ملک کے لیے قربانیاں دینے کو تیار ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تصورِ تاریخ جو خارج میں نتائج پیدا نہیں کر سکتا عین ممکن ہے کہ پختہ ایمان کے لوگوں میں ان کے ایمان بالغیب کو disturb نہ کرے' لیکن یہ تو ممکن ہے کہ ان کا یقین مضمحل کر دے' کیونکہ یقین کا مدار اور یقین کی بنیاد تجرباتی مشاہدات پر ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ وہ مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس ملک کے عوام اسلام سے دلچسپی نہیں رکھتے تو یہ احسان فراموشی ہوگی۔ لہٰذا جو اجتماعی کیفیت قلب ہے وہ کافی گہری ہے' لیکن اس کے مظاہر خارجی کی تخلیق کرنے والی جو قوتیں رہیں انہوں نے وہ راستے اختیار کیے جو اسلام کی آفاقیت سے مطابقت نہیں رکھتے تھے' بلکہ وقتی' عارضی' سطحی' اور محدود نتائج پیدا کرنے والے تھے۔ لیکن دوسری جانب دنیا کے کسی کونے میں ایک آدمی بھی اسلام کا اصل موقف اختیار کرے گا تو اس کا مقابلہ اور معارضہ صرف وہاں کی قوتیں نہیں کریں گی' بلکہ چونکہ اسلام کے ہر اُصول میں ایک آفاقیت کارفرما ہے' لہٰذا ابدی کی آفاقی قوتیں اس کے مقابل صف آرا ہو جائیں گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر آپ ایک مؤقف اختیار کریں اور وہ آپ کے محلے تک محدود رہ جائے تو وہ اسلامی نہیں ہوگا۔ (۲۸)

دراصل جس تصورِ تاریخ کی بنیاد پر یہ ملک بنا اس کے سرچشمے اور اس کے source کے مطابق اگر ہم اپنا تصورِ تاریخ قائم نہیں کریں گے تو عقل میں کچھ آئے گا' اور عمل میں کچھ اور ہی آئے گا۔ جب یہ ہوا کہ تصورِ تاریخ آپ نے کہیں سے لیا اور نتائج تاریخ کسی اور ذریعے سے برآمد کیے تو ان کے درمیان جو اختلاف پیدا ہوا اس اختلاف کا لازمی نتیجہ انتشار تھا (۲۹) اور اس انتشار کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصب العین سے وابستگی کمزور پڑ گئی۔ آج اگر پاکستان کا کوئی باطنی بحران ہے تو وہ یہ ہے کہ نصب العین ذہنوں میں نہیں ہے۔ ملک کو محض بچا لینا نصب العین نہیں شرط ہے' جس طرح سانس لینا زندگی نہیں شرطِ زندگی ہے۔ مغربی جمہوریت کو مارشل لاء یا Theocracy کا بہتر متبادل ہونے کی حیثیت میں تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن فلسفۂ تاریخ کا یہ سبق ہے کہ اس کے ذریعے مملکتِ خداداد پاکستان کو ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست ہرگز نہیں بنایا جا سکتا۔ سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے دو پروفیسر اور ''Journal of Democracy'' کے مصنفین لکھتے ہیں:

The new and fragile democracies that have sprung up since 1974 must live in "compressed time". They will not resemble the

European democracies of the nineteenth century, and they cannot expect to acquire the multiple channels of representation in gradual historical progression as did most of their predecessors. A bewildering array of parties, interests and movements will all simultaneously seek political influence in them, creating challenges to the polity that did not exist in earlier processes of democratization. (۳۰)

اور برطانوی محقّق Anthony Arblaster اپنی کتاب ''جمہوریت'' میں لکھتا ہے:

The secular Western democracy has its own distinct ethos, and its indiscriminate export to other parts of the world cannot lead to the establishment of a stable, truly democratic and just political order. A number of lessons can be learned from the democratic experiments made in different parts of the world, but the people in the non-Western world, particularly the Muslim Ummah, must not blindly follow any of the Western models; instead, they should draw upon their own ideological and historical sources and establish institutions that represent their own values and ideals. (۳۱)

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار　　اورخاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب　　تابدخشاں پھروہی لعلِ گراں پیدا کرے (۳۲)

تیسری جماعت میں ایک کہانی پڑھی تھی جس کا عنوان غالباً ''The Lost Ring'' تھا۔ایک شخص رات کے وقت راہداری کے ساتھ روشنی تلے کچھ تلاش کر رہا تھا۔کسی نے پوچھا بھائی کیا تلاش کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ اس کی انگوٹھی کھوگئی ہے ۔ پوچھنے پر بتایا کہ وہ انگوٹھی ایک جھاڑی کے قریب گری تھی ۔ پوچھنے والے نے کہا کہ اگر انگوٹھی کہیں اور کھوئی ہے تو وہ اُسے یہاں کیوں تلاش کر رہا ہے؟ تو جواب دیا کہ جہاں انگوٹھی کھوئی ہے وہاں روشنی نہیں ہے' اس لیے سہولت کی خاطر یہیں تلاش کر رہا ہوں۔

ہر وہ شخص جو'' آفاق میں گم'' ہو جانے کی کیفیت میں مبتلا نہ ہو اور ذاتی مسائل و معاملات سے قدرے بلند تر سطح پر تاریخ انسانی کے بہاؤ کے رخ کا مشاہدہ کرسکتا ہو بادنیٰ تامل دیکھ سکتا ہے کہ واقعتاً تاریخ کا رُخ اسلام کے عالمی غلبے ہی کی جانب ہے اور قافلۂ انسانی اسی سمت میں رواں دواں ہے!(۳۳) اس لیے کہ ایک طرف طبیعیاتی علوم (Physical Sciences) ہیں جو درجہ بدرجہ کثرت سے وحدت' گویا شرک سے توحید کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں' دوسری طرف عمرانیات (Social Sciences) ہیں جن کی تحقیق و جستجو چاروناچار اُسی رخ پر آگے بڑھ رہی ہے کہ ابلیس کو اندیشہ لاحق ہو گیا ہے:ؔ

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف　　ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں ! (۳۴)

ڈاکٹر محمد آصف ہَن ژِنگ ٹَن اور اقبال کے تصورِ تہذیب کا تحقیقی موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی' ''تہذیبی مشن'' اور'' ملوکانہ نفسیات'' کو مدنظر رکھا جائے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مغربی تہذیب' مغربی لبرل جمہوریت ہی دنیا کی نجات کا واحد راستہ ہے؟ اقبال کے نزدیک تو یہ ''سرمایہ داروں کی جنگ زرگری'' ہے۔ لبرل جمہوریت ''نیلم پری'' کے روپ میں ''دیو استبداد'' ہے' جس کا ''چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر'' ہے۔ اخلاقی اقدار کے فقدان کی وجہ سے مغربی سائنس کی ترقی اور لبرل جمہوریت اجتماعی فلاح و بہبود کی بجائے ''ملوکانہ اغراض''، ''حکمتِ فرعونی'' اور ''حکمتِ اربابِ کیں'' کا نمونہ بن کر رہ گئی ہے''۔ (۳۵)

اور اقبال کے یہ الفاظ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے گویا آج کے عالمی ماحول پر تبصرہ کر رہے ہیں:

''تمام دنیا کے اربابِ فکر دم بخود سوچ رہے ہیں کہ تہذیب و تمدن کے اس عروج اور انسانی ترقی کے اس کمال کا انجام یہی ہونا تھا کہ انسان ایک دوسرے کے جان و مال کے دشمن بن کر کرۂ ارض پر زندگی کا قیام ناممکن بنا دیں۔ دراصل انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے اور جب تک تمام دنیا کی عالمی قوتیں اپنی توجہ کو احترامِ انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی بنی رہے گی۔ وحدت صرف ایک معتبر ہے اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے جو رنگ و نسل و زبان سے بالاتر ہے۔ جب تک اس نام نہاد جمہوریت' اس ناپاک قوم پرستی' اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو مٹایا نہ جائے گا' جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے ''اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ'' (تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کے اصول کا قائل نہ ہو جائے گا' جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کے اعتبارات کو مٹایا نہ جائے گا' اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کر سکیں گے اور اخوت' حریت' اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔'' (۳۶)

اس عالمی مسئلے کا حل اقبال کے خطبہ الٰہ آباد کے ان الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے:

''آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی صدارت کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس امر سے مایوس نہیں ہے کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو انسان کے تصور کو جغرافیائی حدود سے آزاد کرا سکتی ہے۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست کی زندگی میں بے انتہا اہمیت حاصل ہے اور جس کا ایمان ہے کہ اسلام بذاتِ خود تقدیر مبرم ہے اور اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ معاملات کو خود اپنے ہی نقطہ نگاہ سے دیکھے۔ یہ نہ سمجھیں کہ جس مسئلے کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ محض ایک نظری مسئلہ ہے۔ یہ ایک زندہ اور عملی مسئلہ ہے جس سے اسلام کے دستورِ حیات اور نظامِ عمل کے تار و پود متاثر ہو سکتے ہیں۔'' (۳۷)

اور

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے مزدکیت فتنۂ فردا نہیں' اسلام ہے! (۳۸)

بعض 'مفکرین' کی جانب سے غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ گویا اقبال ''لبرل جمہوریت'' یعنی سیکولر سرمایہ دارانہ جمہوریت کو واحد راہِ نجات سمجھتے تھے۔ میرے نزدیک ایسا کہنا غلط ہے۔ اقبال جس جمہوریت کے قائل تھے ان کے اپنے الفاظ میں' جو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو لکھے' سمجھنا چاہیے:

''خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ اور اور جدید نظریات کی روشنی میں اس کے آئندہ ارتقاء میں حل موجود ہے۔ اسلامی قانون کے طویل اور محتاط مطالعہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر یہ ضابطہ قانون صحیح طور پر سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو ہر ایک کے لیے کم از کم زندہ رہنے کا حق محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن قانونِ شریعت کا نفاذ اور ارتقاء اس سرزمین (متحدہ ہندوستان) میں ناممکن ہے' جب تک کہ آزاد مسلم ریاست یا ریاستیں وجود میں نہ لائی جائیں۔ اسلام کے لیے ''سوشل ڈیماکریسی'' کو کسی مناسب شکل میں جو اسلامی قانون کے اصولوں کے مطابق ہو' قبول کر لینا ''انقلاب'' نہیں بلکہ اسلام کی اصل پاکیزگی کی طرف واپس جانا ہے۔''(۳۹)

قرآن حکیم کا پیغام ہے کہ اسلام کا عالمی غلبہ تقدیر مبرم ہے۔ اب اس انقلاب کی ابتدا کہاں سے ہوگی؟ دنیا کو تو کسی نئے نظام کی ضروت ہے اور وہ نظام اسلام کے پاس ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہم اقبال کے خواب کی قرآنی تعبیر سمجھتے ہوئے پاکستان کو اسلام کے عالمی غلبے کے لیے نقطہ آغاز بنانے کے لیے قربانیاں دینے کو تیار ہیں؟ جب یہ دعویٰ ہے کہ ''لبرل جمہوریت'' کے راستے سے علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر ملنا ممکن نہیں ہے تو اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ دراصل اُس نظامِ عدلِ اجتماعی (System of Social Justice) کے لوازمات کیا ہونے چاہئیں جس کا خواب اقبال نے دیکھا تھا۔ اس حوالے سے چند نکات پیش خدمت ہیں:

(۱) ایک ایسا طاقت ور انسانی جذبہ جو جملہ حیوانی جبلتوں پر غالب آ جائے اور قوم کے افراد میں کسی مقصد کے لیے تن من دھن لگا دینے حتیٰ کہ جان تک قربان کر دینے کا مضبوط ارادہ اور قوی داعیہ پیدا کر دے۔ (۴۰)

(۲) ایک ایسا ہمہ گیر نظریہ جو افرادِ قوم کو ایک ایسے مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک کر کے بنیان مرصوص بنا دے جو رنگ' نسل' زبان اور زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اور اس طرح قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن جائے! (۴۱)

جیسا کہ ایک فرانسیسی فلسفی Ernst Renan قوم کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

Man is a slave neither of his race nor his language, nor of his religion, nor of the course of rivers nor of the direction taken by mountain chains. A large aggregate of men, healthy in mind and warm of heart, creates the kind of moral conscience which we call a nation. So long as this moral consciousness gives proof of its strength by the sacrifices which demand the abdication of the individual to the advantage of the community, it is legitimate and has the right to exist.(۴۲)

(religion کا لفظ یہاں انیسویں صدی کی یورپی عیسائیت کے context میں استعمال ہوا ہے' جبکہ اسلام محض relion نہیں بلکہ دین ہے۔)

(۳) عام انسانی سطح پر اخلاق کی تعمیر نو جو صداقت' امانت' دیانت اور ایفاء عہد کی اساسات کو از سرِ نو مضبوط کر دے اور قومی و ملی زندگی کو رشوت' خیانت' جھوٹ' فریب' ناانصافی' جانبداری' ناجائز اقربا پروری اور

وعدہ خلافی ایسی تباہ کن برائیوں سے پاک کردے۔ (۴۳)

لبرل جمہوریت کے ذریعے یہ ممکن نہیں ہے' جیسا کہ سابق امریکی صدر جمی کارٹر کا نیشنل سکیورٹی کا مشیر برزنسکی کہتا ہے:

Without the development of a moral consciousness and adoption of an ethos of self-restraint instead of self-indulgence, the Western society would be left with no operational criteria for defining what is right and what is wrong, and thereby will slide into self-destruction. (۴۴)

(۴) ایک ایسا عدلِ اجتماعی (System of Social Justice) جو مرد اور عورت' فرد اور ریاست' اور سرمایہ اور محنت کے مابین عدل و اعتدال اور قسط و انصاف اور فی الجملہ حقوق و فرائض کا صحیح و حسین توازن پیدا کردے! (۴۵)

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام دانش و تہذیب و دیں سودائے خام (اقبال)

(۵) ایک ایسی مخلص قیادت جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد نظر نہ آئے اور جس کے خلوص و اخلاص پر عوام اعتماد کرسکیں۔ (۴۶)

جیسا کہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین لکھتے ہیں:

''عام طور پر ایک نصب العین کے حسن کا ذاتی احساس کسی ایسے قائد یا راہنما کے ساتھ گہرا نفسیاتی یا روحانی تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو اس نصب العین کی محبت سے پوری طرح سرشار ہو''۔ (۴۷)

ضرورت اس بات کی ہے کہ لکیر پہ لکیر پیٹنے کی بجائے تاریخی نقطۂ نظر سے اس بات پر غور کیا جائے کہ تعبیر میں کیا کوتاہی ہوئی ہے؟ ایک مکمل course of life کو تبدیل کرنے کے لیے کیا طریقۂ کار اختیار کرنا ہوگا؟ مروّجہ جمہوریت کا SWOT analysis کرنا ہوگا (محترم پروفیسر خورشید احمد صاحب نے اپنے مضمون Islam and Democracy: Some Conceptual and Contemporary Dimensions میں اس کا حق ادا کیا ہے)۔ نظام کو بنیاد سے تبدیل کرنے اور اجتماعی زندگی کو ایک نئی شاہراہ پر گامزن کرنے کے لیے تاریخ سے ہمیں کون سا مؤثر طریقۂ کار ملتا ہے؟ اور ان تمام سوالوں کے جواب تلاش کرتے وقت objectivity یعنی fairness, disinterestedness, factuality, and nonpartisanship کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

حوالہ جات:

(۱) پروفیسر محمد منور مرزا' Iqbal on Qur'anic Concept of History

(۲) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' خودی اور فلسفہ تاریخ (حکمت اقبال)

(۳) *Dr. Absar Ahmed, History and Historical Consciousness Published in "Qur'anic Horizons"*

(۴) ایوان اقبال لاہور میں اقبال اکیڈیمی پاکستان کی جانب سے منعقدہ ۲۰۰۸ء سیمینار Science and Muslim Civilization کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر Dr. George Saliba

(۵) Tibor Mende, A Glance at Tomorrow's History, Narrated by Dr. Ali Shariati in his Lecture by the same titile.

(۶) (Jack A. Goldstone, Revolutions; Theoratical, Comparitive, and Historical Studies, p 2)

(۷) سراج منیر، سابق ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، تاریخ کی قرآنی تعبیر، ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف ''استحکام پاکستان'' پر تبصرہ، شائع شدہ ماہنامہ میثاق، مارچ ۱۹۸۶ء

(۸) ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم، صحیح فلسفۂ تاریخ کیا ہے؟ قرآن کی رہنمائی، شائع کردہ اقبال اکیڈیمی پاکستان

(۹) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، خودی اور فلسفۂ تاریخ، حکمت اقبال۔

(۱۰) R. Panikkar, Philosophy and Revolution: The text, the context, and the texture, p 316

(۱۱) ڈاکٹر محمد رفیع الدین، خودی اور فلسفۂ تاریخ، حکمت اقبال۔

(۱۲) Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, The Spirit of Muslim Culture

(۱۳) Stray Reflections, The Private Notebook of Muhammad Iqbal,p 25

(۱۴) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے سپاسنامہ کا جواب، انقلاب اخبار، ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء، ص ۲ اور گفتارِ اقبال، ص ۱۰۴، ۱۰۵

(۱۵) (Dr. Absar Ahmed, Lessons from History; Reflections on the Past, Present and Future of Two Muslim Communities, Foreword)

(۱۶) Imran N. Hosein, The Continuity of Iqbal's Qur'anic Thought; The Genesis of Pakistan and the Islamic Revolution in Iran Viewed in the context of Iqbal's Qur'anic Thought and its Continuity in Dr. Israr Ahmad, An address delivered on April 21, 1997, during the Annual Qur'anic Muahadrat (Lectures) held at Qur'an Auditorium (Lahore)

(۱۷) Dr. Absar Ahmed, History and Historical Consciousness, Qur'anic Horizons

(۱۸) (Cf., Education inan Ideological State, (اے ۔ کے ۔ بروہی) published in Aims and Objectives of Islamic Education ed. S.M. Al-Naquib Attas)

(۱۹) Judy Beishon, The Role of a Revolutionary Party

(۲۰) اقبال، زمانہ حاضر کا انسان، ضربِ کلیم، ص ۷۲۔ (۲۱) اقبال، اسرارِ خودی، ص ۳۲۲۔

(۲۲) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے سپاسنامہ کا جواب، انقلاب اخبار، ۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء، ص ۲ اور گفتارِ اقبال، ص ۱۰۴، ۱۰۵

(۲۳) علامہ اقبال، اسرار خودی

(۲۴) Karl Marx – Stanford Encyclopaedia of Philosophy".. First published Tue 26 August 2003; substantive revision Mon 14 June 2010. Retrieved 4 March 2011.

(۲۵) The famous presidential address delivered by Iqbal in the annual session of All-India Muslim League in Allahabad in 1930

(۲۶) سراج منیر، سابق ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، مضمون: تاریخ کی قرآنی تعبیر ''استحکام پاکستان'' پر تبصرہ، شائع

شدہ ماہنامہ میثاق' مارچ ۱۹۸۶ء

(۲۷) Dr. Ahmed Afzaal, The Origin of Islam as a Social Movement; The Inevitability of Story Construction, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad, 2003

(۲۸) سراج منیر' سابق ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ' مضمون: تاریخ کی قرآنی تعبیر ''استحکام پاکستان'' پر تبصرہ' شائع شدہ ماہنامہ میثاق' مارچ ۱۹۸۶ء۔

(۲۹) ایضاً

(۳۰) Schmitter, Philloppe C., Karl(Professor of Political Science and Director of the Center for European Studies at University of Stanford, Terry Lynn(Associate Professor of Political Science and Director of the Center for Latin American Studies at Stanford University, What Democracy Is...And What is Not, Journal of Democracy, Volume 2, Number 3, Summer 1991, pp. 75-88 (Article),

(۳۱) Arblaster, Anthony, Democracy(Concepts Social Thought), Open University,p96

(۳۲) علامہ اقبال' جواب خضر' بانگ درا (۳۳) ڈاکٹر اسرار احمد' استحکام پاکستان' ص ۱۴۸۔

(۳۴) اقبال' ابلیس کی مجلس شوریٰ

(۳۵) The famous presidential address delivered by Iqbal in the annual session of All-India Muslim League in Allahabad in 1930

(۳۶) ڈاکٹر محمد آصف' ہَن بِنگ ٹَن اور اقبال کا تصورِ تہذیب' اقبالیات اردو نمبر ۵۳ (جنوری تا جولائی ۲۰۱۲)' شائع کردہ اقبال اکیڈیمی پاکستان

(۳۷) اقبال' حرفِ اقبال' مرتبہ لطیف احمد شروانی' ایم ثناء اللہ خان' انشاء پریس لاہور' ۱۹۵۵ء' ص ۲۲۵ تا ۲۲۶

(۳۸) اقبال' ابلیس کی مجلس شوریٰ

(۳۹) Two letters from Iqbal to Jinnah (1937), G. Allana, Pakistan Movement Historical Documents (Karachi: Department of International Relations, University of Karachi, nd [1969]), pp. 129-133.

(۴۰) ڈاکٹر اسرار احمد' استحکام پاکستان' ص ۱۷۷۔ (۴۱) ایضاً

(۴۲) Ernst Renan(1823-92), What is a Nation?

(۴۳) ڈاکٹر اسرار احمد' استحکام پاکستان' ص ۱۷۷۔

(۴۴) Dr. Ahmed Afzaal mentioned this sentence in his essay; The Challenge of Secularism

(۴۵) ڈاکٹر اسرار احمد' استحکام پاکستان' ص ۱۷۷۔ (۴۶) ایضاً

(۴۷) ڈاکٹر محمد رفیع الدین' منشور اسلام' ص ۴۱۔

تفسیر القرآن بالقرآن اور مولانا مودودیؒ

نذیر احمد علائی☆

ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی بن سید احمد حسین، ۳؍رجب المرجب ۱۳۳۱ھ بمطابق ۹؍ستمبر ۱۹۰۳ء کو حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی ؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کا انتظام گھر پر کیا گیا۔ آپ نے ۹ سال تک گھر میں تعلیم حاصل کی، پھر آپ کے استاد مولوی ندیم احمد حسینی کے مشورہ سے آپ کو مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد میں داخل کرادیا گیا۔ جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ مذہبی ماحول تھا۔ مولانا کا بچپن ریاست حیدرآباد دکن کے مشہور شہر اورنگ آباد میں گزرا۔

۱۹۱۸ء میں میدانِ صحافت میں قدم رکھا اور تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۲۱ء میں آپ کی ملاقات مفتی کفایت اللہؒ سے ہوئی۔ اسی سال جمعیت علمائے ہند کی طرف سے اخبار ''مسلم'' نکالا گیا، جس کا آپ کو ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ یہاں آپ نے وسیع اور عمیق مطالعہ کیا۔

آپ کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' چھ جلدوں پر مشتمل ہے جسے آپ نے رسالہ ''ترجمان القرآن'' میں ۱۹۴۳ء سے قسط وار شائع کرنا شروع کیا اور ۱۹۷۲ء میں تفہیم القرآن کی چھٹی جلد مکمل کی۔ چونکہ تفہیم القرآن تقریباً تیس سال کی طویل مدت میں مکمل کی گئی، اور ظاہر ہے کہ اتنے طویل عرصے میں آدمی کی اپنی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور خیالات میں بھی وسعت پیدا ہوتی ہے، اس لیے تفہیم القرآن کی پہلی جلد کی بہ نسبت دوسری جلد زیادہ مفصّل ہے۔ اسی طرح دوسری جلد سے تیسری اور تیسری سے چوتھی زیادہ مفصل ہے۔ اور اس کے بعد پانچویں اور چھٹی تو بہت زیادہ طویل اور مفصّل ہوگئی ہیں۔ (۱)

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ نے نظم قرآن کا ایک خاص تصور پیش کیا ہے۔ انہوں نے قرآن کے مرکزی مضمون اور مدعا سے ہر سورت اور ہر آیت کا ربط بیان کیا ہے۔ پوری تفسیر میں اس بات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے کہ یہ کتاب کہیں اپنے موضوع، مدعا اور مرکزی مضمون (دعوت) سے نہیں ہٹی ہے، بلکہ اس کا سارا بیان نہایت ترتیب و یکسانی کے ساتھ دعوت کے محور پر گھومتا ہے۔ (۲)

قرآن میں تین قسم کا نظم ہے: (۱) قرآن کا کُلّی نظم، یعنی سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الناس تک۔ (۲) سورتوں کا اندرونی نظم، یعنی سورتیں آیات سے مل کر بنتی ہیں۔ ان آیات کے درمیان نظم دریافت کر کے اس کو سورت کے

☆ شعبہ دینیات، سنی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

عمود، مرکزی مضمون اور محور سے جوڑنا کسی سورت کا اندرونی نظم کہلاتا ہے[۳]۔(۳) سورتوں کا باہمی ربط، یعنی سورتوں کی ایک خاص ترتیب وحی الٰہی کے ذریعہ قائم ہے۔ کسی سورت کا اس کی اگلی اور اس کی پچھلی سورت سے ربط وضبط جاننے کو سورتوں کا باہمی نظم کہا جاتا ہے۔

نظم قرآن ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے جو ''تفہیم القرآن'' میں صاف نظر آتا ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن کی مثالیں

مولانا مودودیؒ نے قرآن کریم کی آیات کے مفہوم کو دیگر آیاتِ قرآنیہ سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ارشاد ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝۷۸﴾ (الاسراء)

مولانا نے مذکورہ آیت کے ذیل میں چند آیات کو نقل کیا ہے اور ان کی روشنی میں نماز کے اوقات کو بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں قرآن مجید میں ان پانچوں نمازوں کے اوقات کے بارے میں مختلف اشارے ملتے ہیں، جیسے کہ:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ﴾ (ھود:۱۱٤)

مولانا لکھتے ہیں کہ دونوں کناروں سے مراد فجر اور مغرب ہیں، اور کچھ رات گزرنے سے مراد عشاء ہے۔

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ (طٰہٰ:۱۳۰)

مولانا فرماتے ہیں کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر مراد ہے اور غروبِ آفتاب سے پہلے عصر مراد ہے۔

پھر سورۃ الروم کی آیات:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۝۱۷ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۝۱۸﴾

ذکر کرتے ہیں۔ مولانا رقم طراز ہیں کہ شام کرتے ہوئے سے مراد مغرب ہے، اور صبح کرتے ہوئے سے مراد فجر ہے، اور دن کے آخری حصہ سے مراد عصر ہے، اور دوپہر کرتے ہوئے سے مراد ظہر ہے۔ الغرض مولانا نے ایک آیت کی تفسیر میں مزید مختلف سورتوں کی آیات ذکر کے اوقاتِ نماز کو بیان کیا ہے۔[۴]

(۲) سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۝۸۵﴾

مولانا لکھتے ہیں کہ یہاں روح سے مراد وحی یا وحی لانے والا فرشتہ ہے[۵] اور اس کی تائید میں مزید قرآنی آیات ذکر کرتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮﴾ (المؤمن)

اسی طرح سورۃ الشوریٰ (آیت ۵۲) میں ارشاد ہوا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾(۶)

روح کے سلسلے میں دیگر مفسرین کے آراء وافکار:

(۱) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں کہ روح سے مراد وحی ہے اور تائید میں قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں:
﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ﴾ (النحل:۲)(۷)

(۲) مولانا شبیر احمد عثمانیؒ روح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جس کام کے لیے جو چیز پیدا کی گئی' ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دیا ''کُن'' (اس کام میں لگ جا) بس یہی اس کی روحِ حیات ہے۔(۸)

(۳) امین احسن اصلاحی روح سے مراد وحی الٰہی لیتے ہیں۔(۹)

(۴) مفتی محمد شفیعؒ' ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ روح حق تعالیٰ کے حکم ''کُن'' سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔(۱۰)

(۵) مولانا آزاد ''مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ'' کے تحت لکھتے ہیں کہ روح پروردگاری ہے' اور پروردگاری یہی چاہتی ہے کہ یہ جوہر پیدا ہو۔(۱۱)

(۶) علامہ ابن کثیر چند اقوال بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں'' فحاصل ما نقول : ان الروح هی اصل النفس ومادتها''۔(۱۲)

(۷) امام ابن جوزی' حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ روح سے مراد قرآن کریم یا جبرائیلؑ ہے۔(۱۳)

(۸) امام رازی نے چند اقوال ذکر کیے ہیں' جن میں یہ بھی ہے کہ روح سے مراد قرآن یا جبرائیلؑ ہے۔(۱۴)

سورۃ الاحزاب کی روشنی میں تفسیر القرآن بالقرآن کی چند مثالیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ﴾ (الاحزاب:٤)

مذکورہ آیت کے بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت کا ظہار سے متعلق شرعی قانون درج ذیل آیات میں بیان ہوا ہے' جیسے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ

يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۴﴾ (المجادله) [۱۵]

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠
وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴿۷﴾﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے سلسلے میں مولانا مودودیؒ کہتے ہیں کہ یہاں عہد سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی خود اطاعت کرے گا اور دوسروں سے کرائے گا۔ پھر اس کی توضیح میں متعدد آیات پیش کرتے ہیں، جیسے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾(آل عمران:۱۸۷)

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ﴾ (البقرۃ:۸۳)

﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ
اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۱﴾﴾ (الاعراف)

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴿۷﴾﴾ (المائدۃ) [۱۶]

ارشادِ باری ہے:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴿۲۲﴾﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ وعدے کا جو مفہوم صادق الایمان مسلمانوں نے سمجھا وہ یہ ہے کہ سخت آزمائشوں اور مشکل ترین مصائب سے گزرنا ہوگا، گراں ترین قربانیاں دینی ہوں گی، تب جا کر اللہ تعالیٰ کی عنایات ملنے کی توقع ہوگی۔ پھر آپ تفسیر کے طور پر درج ذیل آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ
وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ
قَرِيْبٌ﴿۲۱۴﴾﴾ (البقرۃ)

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ (العنکبوت)(۱۷)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ (الاحزاب)

اس آیت کے ضمن میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے مقصود حضور ﷺ کی ازواج کو یہ احساس دلانا تھا کہ اسلامی معاشرے میں ان کا مقام جس قدر بلند ہے اسی کے لحاظ سے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت سخت ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں کہ یہ اسی طرح سے ہے جیسے نبی ﷺ کو اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ (الزمر)

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے واسطہ سے عام انسانوں کو شرک سے سخت احتراز کا احساس دلانا تھا۔(۱۸)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے کہ یہ کسی ایسی عورت کو زیب نہیں دیتا جس کے دل میں اللہ کا خوف اور بدی سے پرہیز کا جذبہ ہو۔ بالفاظ دیگر یہ مؤمنات ومتقیات کا طرزِ کلام نہیں ہے۔ پھر تشریح کے طور پر اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ (النور)(۱۹)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ تبرج کے معنی عربی زبان میں نمایاں ہونے' اُبھرنے اور کھل کر سامنے آنے کے ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں تین جگہ آیا ہے:

(۱) جہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے جی چرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت سا گمان رکھتے ہیں۔ جیسے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾﴾ (آل عمران)

(۲) اس آیت میں خدا کے قانون کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا' کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ جیسے:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ (المائدۃ)

(۳) جہاں کفار مکہ کے اس فعل کو ''حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّة'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہوں نے محض تعصب کی بنا پر مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ جیسے:

﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾﴾ (الفتح)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾﴾ (الاحزاب)

مولانا فرماتے ہیں کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اہل البیت سے مراد نبی ﷺ کی بیویاں ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں اور دو جگہ پر یہ لفظ آیا ہے' دونوں جگہ اس کے مفہوم میں بیویاں شامل' بلکہ مقدم ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾﴾ (ھود)

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾ (القصص)[۲۰]

سورۃ الاحزاب میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾﴾

اس آیت کے ضمن میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ یہاں آیات اللہ سے مراد تو کتاب اللہ کی آیات ہی

ہیں‘ مگر حکمت کے لفظ میں وسعت ہے‘ جس میں وہ تمام دانائی کی باتیں آ جاتی ہیں جو نبی ﷺ لوگوں کو سکھاتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ’’مَا یُتْلٰی‘‘ تلاوت کا لفظ قرآن میں اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں ہوا‘ بلکہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ میں یہ لفظ جادو کے ان منتروں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو سناتے تھے‘ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۰۲) (۲۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝۴۴﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے سلسلے میں مولانا مودودیؒ کہتے ہیں کہ اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ اللہ خود السلام علیکم کے ساتھ ان کا استقبال فرمائے گا‘ جیسا کہ: ﴿سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸﴾ (یٰسٓ) دوسرے یہ کہ ملائکہ ان کو سلام کریں گے‘ ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲﴾ (النحل)

تیسرے یہ کہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے‘ جیسے اللہ کا فرمان ہے:

﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰﴾ (یونس) (۲۲)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۴۵﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں‘ کہ شہادتیں تین قسم کی ہیں: قولی‘ عملی اور اُخروی۔

(۱) قولی شہادت: یعنی اللہ کا دین جن حقائق اور اصولوں پر مبنی ہے‘ نبی ﷺ ان کی صداقت کا گواہ بن کر کھڑا ہو‘ دنیا سے صاف کہہ دے کہ وہی حق ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ ہے باطل ہے۔

(۲) عملی شہادت: نبی ﷺ اپنی پوری زندگی میں اس مسلک کا عملاً مظاہرہ کرے جسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے وہ اٹھا ہے۔

(۳) اُخروی شہادت: یعنی آخرت میں جب اللہ کی عدالت قائم ہو اس وقت نبی ﷺ اس امر کی شہادت دے کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ اس نے بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیا۔ ظاہر بات ہے کہ نبی ﷺ سے دین حق کی قولی و عملی شہادت پیش کرنے میں ذرّہ برابر بھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے‘ تبھی تو آخرت میں آپ یہ شہادت دے سکیں گے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں شہادت سے مراد اُخروی شہادت ہے۔ پھر درج ذیل آیات تائید میں دیتے ہیں۔ جیسے:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹﴾ (المائدۃ)

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾﴾ (المائدۃ)

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

﴿وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۸۹﴾﴾ (النحل)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز نبی ﷺ کی شہادت اپنی نوعیت میں اس شہادت سے مختلف نہ ہوگی جسے ادا کرنے کے لیے حضور ﷺ کی امت کو اور ہر اُمت پر گواہی دینے والے شہداء کو بلایا جائے گا۔

مولانا مودودیؒ کہتے ہیں کہ انبیاء کا کام بندوں کے اعمال پر گواہی دینا نہیں' جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾ (سبا)

اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دوسرا انتظام فرمایا ہے کہ فرشتے ہر شخص کا نامہ اعمال تیار کر رہے ہیں' جیسے ملاحظہ ہو:

﴿اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾﴾ (قٓ)

﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾﴾ (الکھف)

لوگوں کے اعضاء خود ان کے اعمال کے سلسلے میں شہادت دیں گے' جیسے:

﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾﴾ (یٰسٓ)

﴿حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (حٰمٓ السجدہ) (۲۳)

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے تحت مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا تھا' پھر خلوت سے پہلے طلاق دی گئی' تو اس صورت میں نصف مہر دینا واجب ہوگا' جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ وَلَا تَنْسَوُا

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾﴾ (البقرة)

پھر اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، تو اس صورت میں عورت کو کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرنا واجب ہے، جیسے ارشاد باری ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾﴾ البقرہ (۲۴)

ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾﴾ (الاحزاب)

اس آیت کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ منکوحہ بیویوں کے علاوہ مملوکہ عورتوں سے بھی تمتع کی اجازت ہے، اور ان کے لیے تعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔ پھر درج ذیل آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿۳﴾﴾ (النساء)

﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾﴾ (المؤمنون)

﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾ (المعارج) (۲۵)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے تحت مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ اس میں ایک حکم کی تمہید ہے اور اس کی تشریح یہ آیت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ (النور) (۲۶)

ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾﴾ (الاحزاب)

مذکورہ آیت کے ضمن میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ حکم اور مقصدِ حکم جو اللہ نے خود بیان کر دیا ہے اسلامی قانونِ معاشرت کی روح کو ظاہر کر رہا ہے۔ پھر تفسیر کے طور پر اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾﴾ (النور)[۲۷]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾﴾ (الاحزاب)

مولانا مودودیؒ مذکورہ آیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٧﴾﴾ (الاعراف)

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾﴾ (النّٰزعٰت)

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿٥﴾﴾ (سبا)

﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾﴾ (الملك)

﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ
اَثِيْمٍ﴿١٢﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ﴿١٤﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ
يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾﴾ (المطففين)
﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴿٢﴾ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴿٣﴾﴾ (الحجر)
﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ
لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ
خَذُوْلًا﴿٢٩﴾﴾ (الفرقان)
﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ
النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ
الْاَسْفَلِيْنَ﴿٢٩﴾﴾ (حٰمٓ السجدة)[٢٨]

اس طرح مولانا مودودیؒ اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں ایک مسلمہ اصول ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کی ترجمانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس تفسیر کو مطلقاً ''تفسیر بالرّای'' کہنا خلافِ حقیقت ہوگا۔ گویا اہل زمانہ کے فہم کے مطابق آپ نے قرآن مجید کی خدمت کی اور قرآن فہمی میں اس طبقہ کی قابل قدر امداد کی جو براہ راست عربی تفاسیر سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آپ کی یہ کوشش لائق ستائش ہے۔

حوالہ جات

(۱) اردو دائرۃ معارف اسلامیہ ۲۱/۴۱۷ تا ۴۵۷، دانش گاہ پنجاب لاہور۔

(۲) مولانا مودودی: ص ۴۶۱ تا ۴۶۸، سید اسعد گیلانی۔

(۳) واضح رہے کہ نظم قرآن کے سلسلہ میں عمود کی اصطلاح مولانا حمید الدین فراہیؒ نے، مرکزی مضمون کی اصطلاح مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اور محور کی اصطلاح سید قطبؒ نے استعمال کی ہے۔

(۴) تفہیم القرآن: ۲/۶۳۳، ۶۳۴، ابوالاعلیٰ مودودی

(۵) مولانا کا یہ قول محلِ نظر ہے۔ اس آیت مبارکہ میں روح سے مراد وہ روح ہے جس کا ذکر قرآنی آیت ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ (الحجر: ۳۲، ص ۳۸) میں ہے۔ اس میں ایک انتہا پر تو وہ لوگ ہیں جو روح کے مادی جسم کے علاوہ ذاتی تشخص کے قائل ہی نہیں ہیں، جیسا کہ مولانا مودودیؒ نے ''وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ'' میں روح سے مادی جسم کی صفات، حیات، علم، قدرت، ارادہ اور اختیار وغیرہ لیا ہے، جبکہ دوسری انتہا بعض متصوفانہ حلقوں سے سامنے آئی کہ جس کے مطابق روح، اللہ کے وجود سے علیحدہ ہونے والا ایک خدائی عنصر ہے جو

مادی جسم میں ایک علیحدہ تشخص رکھتا ہے۔ سلف صالحین کے صحیح موقف کے مطابق روح کا مادی جسم کے علاوہ اپنا وجود ہے۔ یہ غیر فانی ہے' جوہر حیات ہے اور ایسی مخلوق ہے جو امر ربی سے وجود میں آئی ہے۔ (حاشیہ از ادارۂ تحریر)

(۶) تفہیم القرآن: ۲/۶۴۹' ابوالاعلیٰ مودودی

(۷) تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن: ص ۲۰۷' مولانا ثناء اللہ امرتسری

(۸) تفسیر عثمانی: ص ۳۸۸' مولانا شبیر احمد عثمانی

(۹) تدبر قرآن: ۳/۷۸۳' امین احسن اصلاحی

(۱۰) معارف القرآن: ۵/۹۵' مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(۱۱) ترجمان القرآن: ۴/۳۳۱' مولانا ابوالکلام آزادؒ

(۱۲) تفسیر القرآن العظیم: ۳/۱۳۹' علامہ ابن کثیرؒ

(۱۳) زادالمیسرۃ: ۵/۸۲' ابن جوزیؒ

(۱۴) التفسیر الکبیر: ۳۶/۲۱۔۲۲' امام رازیؒ —— اس جگہ کچھ خلط مبحث ہو گیا ہے۔ ایک بحث یہ ہے کہ بعض سلف صالحین نے اس آیت مبارکہ ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ'' میں روح سے کیا مراد لیا ہے' کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قرآن مجید میں اس لفظ کا اطلاق ایک سے زائد معانی پر ہوا ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ روح بمعنی جسم انسانی میں ایسا جوہر حیات' جو مادی جسم کے علاوہ وجود رکھتا ہے اور چار ماہ کے جنین میں بامر ربی داخل کیا جاتا ہے' تو اس کا کوئی بھی سلف میں انکار کرنے والا نہیں ہے۔ اگرچہ روح کی ضمنی تعریف میں کچھ اختلاف ہو تو ہو لیکن تصور (concept) ایک ہی ہے۔ روح کا تصور مذاہب کی تاریخ میں اس قدر ہمہ گیر ہے کہ دین اسلام کے علاوہ سامی ادیان اور غیر سامی ادیان دونوں میں روح کا تصور پایا جاتا ہے۔ مثلاً بدھ مت میں دو روایات میں سے معروف روایت کے مطابق خدا کا اثبات نہیں' لیکن روح کو وہ بھی مانتے ہیں۔ یہ ایک عجیب نکتہ ہے کہ ہندوستان' چین اور جاپان میں پیدا ہونے والے غیر آسمانی مذاہب بھی روح اور روحانی زندگی کے شد و مد سے قائل رہے ہیں۔ (حاشیہ از ادارۂ تحریر)

(۱۵) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب' ص ۲۱۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ' اشاعت' اپریل' ۲۰۱۰ء

(۱۶) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۲۶۔۲۷

(۱۷) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۳۱

(۱۸) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۴۳

(۱۹) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۴۵

(۲۰) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۴۷۔۴۸

(۲۱) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۵۱

(۲۲) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۶۴۔۶۵

(۲۳) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۶۵ تا ۶۷

(۲۴) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۷۲

(۲۵) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۸۲

(۲۶) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۸۳

(۲۷) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۹۷

(۲۸) تفہیم القرآن: سورۃ الاحزاب: ص ۱۰۱

قرآن اور مستشرقین

بسلسلہ : تحریک استشراق: ایک تعارف (۳)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

ریجس بلاشیر Regis Blacher (۱۹۰۰۔۱۹۷۳ء)

ریجس بلاشیر Regis Blacher (۱۹۰۰۔۱۹۷۳ء) ایک فرانسیسی مستشرق ہے۔ سار بونے یونیورسٹی' فرانس میں عربی زبان وادب کا استاذ جبکہ یونیورسٹی آف پیرس میں انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز کا ڈائریکٹر رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں The Quran کے نام سے کتاب شائع کی۔ اس نے Introduction au Coran کے نام سے فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کا ایک مقدمہ بھی مرتب کیا۔ ۱۹۴۹۔۱۹۷۷ء کے دوران The Koran: Translation as a test for reclassification of suras کے نام سے بھی فرانسیسی میں ترجمہ قرآن شائع کیا' جس میں اس نے اپنے تئیں قرآن مجید کی سورتوں کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے جمع کیا ہے۔ سیرت کا ایک ناقدانہ جائزہ اپنی کتاب The Problem of Muhammad test critical biography of the founder of Islam میں لیا۔ علاوہ ازیں عربی ادب کی تاریخ پر تین جلدوں میں History of Arabic Litrature کے نام سے بھی ایک کتاب مرتب کی۔

بلاشیر کی کتاب Introduction au Coran سات فصول پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں اس کا ترجمہ رضا سعادۃ نے کیا ہے جو دار الکتاب اللبنانی' بیروت سے شائع ہو چکا ہے۔ اس رسالے کی پہلی فصل مصحف کی جمع وتدوین کے بارے ہے۔ بلاشیر کا خیال ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پر یہودیت کا بہت اثر تھا اور آپ ان کی طرح اپنے دین کے لیے ایک کتاب مرتب کرنا چاہتے تھے' لہٰذا آپ نے اپنے متبعین کے لیے ایک کتاب تیار کی' جس کی حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں نظر ثانی (revision) کی گئی۔ اس فصل میں اس نے قراءاتِ قرآنیہ پر بھی نقد کی ہے اور اس کے بقول قرآن کی نص (text) کے آسمانی ہونے کی نفی قراءات (variant readings of the Quran) سے بھی ہوتی ہے۔ دوسری فصل کا موضوع قرآن کا مکی پیغام ہے۔ اس بحث کے تحت اس نے مکی سورتوں کی خصوصیات اور اسالیب کلام پر گفتگو کی ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ مکی قرآن کے مضامین وہی ہیں جو وحی کے نزول سے پہلے آپ کے غارِ حرا کے غور وفکر میں نمایاں تھے اور گویا غارِ حرا کے انہی افکار نے شدت کی حالت میں آپ کی زبان پر ایک کلام کی صورت اختیار کر لی۔ من جملہ اس کا کہنا یہ ہے کہ مکی قرآن اپنے پیغام کے اعتبار سے مضطرب (confused) ہے۔ تیسری فصل کا عنوان مدنی قرآن ہے

اور یہ ۲۴ سورتوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی فصل کا موضوع علومِ قرآن ہے جس میں اس نے لغات القرآن' نحوالقرآن' قراءاتِ قرآنیہ اور بلاغت قرآن وغیرہ پر گفتگو کی ہے۔ پانچویں فصل تفسیرِ قرآنی' اصولِ تفسیر اور تفسیر کے مقاصد واہداف کے بارے میں ہے۔ اس موضوع کے تحت اس نے تفسیرِ لفظی' تاویل' مشہور مفسرین اور ان کی کتب تفسیر پر بحث کی ہے۔ چھٹی فصل مصادر اسلام کے بارے میں ہے۔ اس میں قرآن' سنت' اجماع' قیاس اور اجتہاد وغیرہ کے بارے میں اس نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے اور قرآن کے مصدرِ شریعت ہونے کی بحث پر گفتگو کی ہے۔ ساتویں فصل میں قرآن مجید کے مسلم معاشروں میں مقام اور اسلامی طرزِ حیات میں اہمیت کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ بلاشیر کا یہ مقدمہ قرآن مجید اور اسلام پر الزامات واعتراضات سے بھرا پڑا ہے' جیسا کہ اس نے پہلی فصل میں قرآن مجید پر یہ طعن کیا ہے کہ اس کا اسلوبِ کلام فکری الجھن (intellectual confusion) کا شکار ہے اور یہی اعتراض یہودی مستشرق گولڈ زیہر (۱۸۵۰۔۱۹۲۱ء) کا بھی ہے۔ دوسری اور تیسری فصل میں بلاشیر نے مکی سورتوں میں احوالِ قیامت کے مضامین پر ارتکاز کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ یہ محمد ﷺ کی اِن موضوعات پر سوچ وبچار کی شدت ہے جس نے تخیل سے کلام کی صورت اختیار کر لی' جیسا کہ ایک شاعر اپنے جذبات واحساسات اور ایک فلسفی اپنے فکر ونظر کو الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ بلاشیر کا یہ اعتراض وہی ہے جو اس سے پہلے فرانسیسی مستشرق پال کازانووا Paul Casanova (۱۸۶۱۔۱۹۲۶ء) کر چکا ہے۔ مصنف گولڈ زیہر اور کازانووا کے علاوہ نولڈ کے (۱۸۳۶۔۱۹۳۰ء) سے بھی متاثر ہے۔

آرتھر جان آربری Arthur John Arberry (۱۹۰۵۔۱۹۶۹ء)

آرتھر جان آربری Arthur John Arberry کی پیدائش ۱۲ مئی ۱۹۰۵ء کو برطانیہ میں ہوئی۔ اس کی شہرت کی وجہ اس کا انگریزی ترجمہ قرآن 'The Koran Interpreted' بنا۔[1] قاہرہ یونیورسٹی' مصر میں کلاسیکیات میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ رہا ہے۔ بعدازاں انڈیا آفس لائبریری' لندن میں اسسٹنٹ لائبریرین کے طور پر ملازمت کی۔ دوسری جنگ عظیم میں منسٹری آف انفارمیشن سے وابستہ ہو گیا۔ ۱۹۴۴ء میں اسے یونیورسٹی آف لندن میں School of Oriental and African Studies (SOAS) میں فارسی زبان کا چیئر پرسن مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان میں Sir Thomas Adams' Professor بن گیا۔ مولانا روم اور علامہ اقبال رحمہما اللہ کے فارسی کلام کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ۹۰ کے قریب اس کی تصنیفات ہیں۔ اس کا ترجمہ قرآن پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا اور مستشرقین کے انگریزی تراجم میں تاحال سب سے زیادہ مستند' رواں' ادبی اور مقبولِ عام ترجمہ شمار ہوتا ہے۔ شاہ ایران نے فارسی زبان میں اس کی خدمات پر اسے اعلیٰ ترین انعام 'نشانِ دانش' دیا۔ اسے قاہرہ اور دِمشق میں عربی زبان کی مجمعات کی رکنیت بھی حاصل رہی ہے۔

آربری نے اپنے ترجمہ قرآن میں ادبی اسلوب یعنی ولیم شیکسپیئر William Shakespeare (۱۵۶۴۔۱۶۱۶ء) کی زبان کو استعمال کیا ہے۔ آربری کے ترجمہ قرآن کی کچھ امتیازات ہیں اور کچھ نقائص۔

مثلاً آربری نے اپنے ترجمہ قرآن کا نام 'مفسر قرآن' (The Koran Interpreted) رکھا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ترجمہ قرآن' خود قرآن مجید نہیں ہے' جبکہ آربری کے پیش رو جارج سیل (George Sale) (۱۶۹۷۔۱۷۳۶ء) نے اپنے ترجمہ قرآن کا نام 'القرآن' (Koran) رکھا تھا۔ آربری نے سورۂ یوسف میں لفظ 'اَحلام' کا ترجمہ خواب (dreams) کی بجائے خوفناک خواب (nightmares) کیا ہے جو مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح سورۃ الواقعہ کا ترجمہ 'Terror' کیا ہے' جبکہ صحیح ترجمہ 'The Inevitable Event' تھا۔ (۲)

جارج سیل اور آرتھر جان آربری کے تراجم قرآن کے خصائص وعیوب پر ڈاکٹر حسن سعید غزالہ کا کتابچہ 'أساليب المستشرقين في ترجمة معاني القرآن الكريم دراسة أسلوبية لترجمتي سيل وآربرى لمعاني لقرآن الكريم إلى الإنجليزية' ایک عمدہ تحریر ہے۔

ایڈورڈ وینز برف John Edward Wansbrough (۱۹۲۸۔۲۰۰۲ء)

امریکن مستشرق جان ایڈورڈ وینز برف John Edward Wansbrough ۱۹ فروری ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوا۔ اس نے اپنی تعلیم ہارورڈ یونیورسٹی سے مکمل کی اور یونیورسٹی آف لندن میں School of Oriental and African Studies (SOAS) میں تاریخ کا مضمون پڑھاتا رہا۔ قرآن مجید پر اس کی کتاب Quranic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretation ۱۹۷۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کی۔ یہ کتاب چار فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل کا موضوع وحی اور شریعت (Revelation and Canon) ہے۔ دوسری فصل علاماتِ نبوت (Emblems of Prophethood) اور تیسری فصل قدیم عربی زبان کے مصادر (Origins of Classical Arabic) پر مشتمل ہے۔ آخری فصل کا عنوان اصول تفسیر (Principles of Exegesis) ہے۔ پہلی فصل میں اس نے یہ بحث کی ہے کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ مثلاً ابراہیم' عاد' ثمود وغیرہ کا مصدر تورات اور انجیل ہیں۔ قرآن مجید میں تحریف کا قائل ہے اور قراءاتِ قرآنیہ کو قرآن مجید میں مسلمانوں کے باہمی اختلاف کا نام دیتا ہے۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ بعض قراءات غیر عربی ہیں اور زبان کے اصول وضوابط سے مطابقت (صرف ونحو) کے اعتبار سے انجیل قرآن مجید سے افضل ہے۔ قرآن مجید کو اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتی تصنیف قرار دیتا ہے اور اس میں موضوعات کے تکرار کو ہدفِ تنقید بناتا ہے۔ دوسری فصل میں قرآن مجید کے اعجاز کے پہلو پر گفتگو کی ہے' جبکہ تیسری فصل جاہلی دور کی عربی زبان کے اصول وضوابط کے بارے میں ہے۔ چوتھی فصل میں قرآن مجید کی تفسیر کی اقسام بیان کی ہیں' جو اس کے نزدیک پانچ قسم پر مشتمل ہے' جو درج ذیل ہیں:

1- Haggadic Exegesis (قصصی تفسیر)
2- Deutungsbediirftigkeit (موضوعی تفسیر)
3- Halakhic Exegesis (لغوی تفسیر)
4- Masoretic Exegesis (بیانی وبلاغی تفسیر)
5- Rhetoric and Allegory (مجازی واستعاری تفسیر) (۳)

ولیم منٹگمری واٹ William Montgomery Watt (۱۹۰۹۔۲۰۰۶ء)

ولیم منٹگمری واٹ William Montgomery Watt (۱۹۰۹۔۲۰۰۶ء) بھی ایک برطانوی مستشرق تھا۔ رچرڈ بیل کی طرح اس کا تعلق بھی بطور استاذ علوم اسلامیہ اور عربی زبان' یونیورسٹی آف ایڈنبرگ سے رہا ہے۔ قرآن مجید پر اس کا ایک مقدمہ Introduction to the Quran کے نام سے ہے جو ۱۹۷۷ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ اس کی دیگر معروف کتب میں سیرت پر دو کتابیں Muhammad at Mecca اور Muhammad at Medina ہیں جو بالترتیب ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ کتب میں Islamic Philosophy and Theology اور Islamic Political Thought شامل ہیں۔ منٹگمری واٹ کو The Last Orientalist کا ٹائٹل بھی دیا گیا۔

قرآن مجید پر مقدمہ کو منٹگمری واٹ نے گیارہ فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں مصنف نے جزیرہ عرب کے تاریخی سیاق (Historical Context) کو بیان کیا ہے۔ دوسری فصل میں اللہ کے رسول ﷺ کے تجربۂ نبوت (Prophetic Experience) کے بارے میں اپنا موقف نقل کیا ہے۔ تیسری فصل نص قرآنی کی تاریخ (The History of the Text of the Quran) جبکہ چوتھی شکل قرآن (The External Form of the Quran) کے بارے میں بحث کرتی ہے۔ پانچویں فصل اسلوبِ قرآن کے امتیازات (The Features of Quranic Style) اور چھٹی فصل تشکیل قرآن (The Shaping of the Quran) کے موضوع پر ہے۔ ساتویں فصل قرآن مجید کی ترتیب زمانی (The Chronology of the Quran) اور آٹھویں قرآن حکیم کے ناموں (The Names of the Revealed Message) کے بارے ہے۔ نویں فصل قرآن مجید کے تفسیری رجحانات (The Doctrines of the Quran) اور دسویں قرآن حکیم اور مسلمان علماء (Muslim Scholarship and the Quran) کے موضوع پر ہے۔ گیارہویں فصل قرآن مجید اور مغربی اسکالرز (The Quran and Occidental Scholarship) کے بارے میں ہے۔

جان برٹن John Burton (۱۹۲۹ء)

جان برٹن ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوا اور یونیورسٹی آف ایڈنبرگ میں عربی زبان کا استاذ رہا ہے۔ اس نے جمع قرآن پر The Collection of the Quran کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے جسے کیمبرج یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ کتاب دو حصوں اور دس فصول پر مشتمل ہے اور ہر حصے میں پانچ فصول ہیں۔ پہلے حصے کا موضوع قرآن مجید میں نسخ کا تصور ہے۔ پہلا حصہ قرآن مجید اور شرعی علوم کے تعارف کے بارے میں ہے اور اس کا عنوان The Quran and Islamic Legal Sciences ہے۔ پہلی فصل کا عنوان تعارف (Introduction) جبکہ دوسری کا شرعی علوم کا تعارف (The Islamic Legal Sciences) ہے۔ تیسری اور چوتھی فصل نسخ The sub-science of Naskh اور The background to the emergence of the third mode of Naskh کے بارے میں ہے۔ پانچویں فصل مصحف

(The Mushaf: an incomplete record of the Quran) کے عنوان سے ہے۔ پہلے حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں نسخ کا تصور مسلمان علماء کا وضع کردہ ہے۔

دوسرے حصے کا عنوان تاریخ نص قرآن (The History of the collection of the Quran Text) ہے۔ پہلی فصل جمع اول (The first collection) جبکہ دوسری جمع عثمانی (The Uthman collection) کے عنوان سے ہے۔ آٹھویں فصل جمع قرآن کا جائزہ (The Quran collections: a review) اور نویں اسنادِ قرآن (The isnad of the Quran) کے عنوان سے ہے۔ دسویں فصل عمومی نتائج (General Conclusions) کے بارے میں ہے۔

جان برٹن کا قرآن مجید کے بارے میں نقطہ نظر بہت ہی عجیب ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم شاخت اور گولڈ زیہر کے منہج تحقیق حدیث کی روشنی میں ان روایات کا جائزہ لیں [۴] جو مسلمان اہل علم نے قرآن مجید کی تدوین وتاریخ کے عنوان سے نقل کی ہیں تو وہ تمام موضوع (fabricated) اور من گھڑت قرار پاتی ہیں۔ [۵] اس کا کہنا یہ ہے کہ آج ہمارے ہاتھوں میں جو مصحف موجود ہے یہ محمد ﷺ کا مصحف ہے۔ وہ روایات جو یہ بیان کرتی ہیں کہ قرآن مجید ما بین الدَّفَّتَین اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں موجود نہیں تھا اور پہلی مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کتابی صورت میں مرتب ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کو ایک رسم پر جمع کیا تو یہ جمیع روایات موضوع ہیں۔ جان برٹن کی کتاب کا آخری جملہ یہ ہے:

" What we have today in our hands is the Mushaf of Muhammad. " [۶]

''ہمارے ہاتھوں میں آج جو مصحف موجود ہے یہ محمد ﷺ کا لکھا ہوا ہے۔''

اس کے موقف کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک مصحف اپنے پاس لکھ کر رکھا ہوا تھا جس کی گاہے بگاہے وہ تہذیب (editing) بھی کرتے رہتے تھے۔ اس کا کہنا یہ ہے بعض اوقات محمد ﷺ نازل شدہ وحی کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھ پاتے تھے یا بعض آیات کے تفصیلی مضامین کو وہ اختصار سے بیان کرنا چاہتے تھے جس کے لیے وہ قرآن مجید کو ایڈٹ کرتے رہتے تھے۔ اور سبعہ احرف کے اختلافات کی حقیقت بھی یہی ہے۔ جان برٹن کا کہنا یہ ہے کہ متاخرین مسلمان اہل علم نے یہ نقطہ نظر عام کیا ہے کہ قرآن مجید کی تدوین و تالیف صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی ہے اور اس نظریہ کی تخلیق کی ضرورت انہیں اس لیے محسوس ہوئی کہ انہیں اپنے بعض فقہی نقطہ ہائے نظر کے لیے کوئی دلیل چاہیے تھی، مثلاً رجم کی حد کا مسئلہ۔ [۷] جب رجم کی سزا کا اثبات فقہاء قرآن مجید سے نہ کر پائے تو انہوں نے نسخ کا تصور وضع (create) کیا [۸] اور کہا کہ رجم کی آیات قرآن میں پہلے موجود تھیں جبکہ بعد میں ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔ اب مسلمان فقہاء کے لیے چونکہ قرآن مجید میں اضافہ تو ممکن نہ تھا لیکن یہ کہنا ان کے لیے آسان تھا کہ وہ اپنے بہت سے فقہی مسائل کو یہ بنیاد فراہم کر دیں کہ ان کے دلائل کو بیان کرنی والی آیات منسوخ التلاوۃ ہیں [۹] جیسا کہ انہوں نے عرصہ اخیرہ میں بہت سی قراءات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ نسخ کا تصور وضع کرنے کے بعد انہی فقہاء نے یہ کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی زندگی میں اس لیے قرآن مجید کو ایک کتابی صورت نہیں دے سکے کہ وحی نازل ہو رہی تھی اور ابھی نسخ کا امکان موجود تھا۔ [۱۰]

ابن وراق Ibn Warraq (پیدائش ۱۹۴۶ء)

ابن وراق Ibn Warraq (پیدائش ۱۹۴۶ء) ایک قلمی نام ہے جو اسلام اور قرآن مجید پر تنقید کے حوالہ سے معروف ہے۔ ابن وراق انڈیا میں پیدا ہوا اور اس کی فیملی نے پاکستان بننے کے بعد وہاں سے کراچی ہجرت کی۔ پیدائشی طور مسلمان تھا' بعد ازاں دہریہ بن گیا۔ ۱۹ سال کی عمر میں اسکاٹ لینڈ میں یونیورسٹی آف ایڈنبرگ میں منٹگمری واٹ کی شاگردی میں فلاسفی' علوم اسلامیہ اور عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ گریجویشن کے بعد لندن میں ہی ایک پرائمری اسکول میں تدریس شروع کی۔ ۱۹۸۲ء میں اس نے فرانس ہجرت کی اور وہاں ایک انڈین ریسٹورنٹ چلانا شروع کیا۔ ۱۹۸۸ء میں سلمان رشدی کی کتاب The Satanic Verses اور اس پر مسلم دنیا کا ردعمل سامنے آیا تو ابن وراق نے Free Inquiry Magazine میں Why I am not a Muslim? کے نام سے آرٹیکل لکھنا شروع کیے۔ ابن وراق اپنے آپ کو ایک دہریہ (atheist) یا تشکیک پسند (agnostic) قرار دیتا ہے۔

ابن وراق Secularisation of Islamic Society Institute for the کا بانی ہے۔ کئی ایک کتابوں کا مصنف ہے جن میں Why I am not a Muslim? ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۹۸ء میں اس نے The Origins of the Quran کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ علاوہ ازیں ایک کتاب ۲۰۰۰ء میں The Quest for the Historical Muhammad کے نام سے بھی شائع ہوئی۔

ابن وراق نے اپنی کتاب The Origins of The Koran: Classic Essays on Islam's Holy Book میں دو صدیوں کے ۱۳ مستشرقین کے قرآن مجید پر تنقیدی مضامین کو جمع کر کے شائع کیا ہے۔ اس تالیف میں قرآن مجید کے ناقدین میں ابن وراق کے علاوہ تھیوڈور نولڈ کے Theodor Noldeke' لیون کایتانے Leone Caetani (۱۸۶۹۔۱۹۳۵ء)' الفانسے منگانا Alphonse Mingana (۱۸۷۸۔۱۹۳۷ء)' آرتھر جیفری Arthur Jeffery' ڈیوڈ سموئیل مارگولیتھ David Samuel Margoliouth (۱۸۵۸۔۱۹۴۰ء)' ولیم سینٹ کلیر تسدال William St. Clair Tisdall' ابراہام گائیگر Abraham Geiger (۱۸۱۰۔۱۸۷۴ء)' چارلس ٹوری Charles Cutler Torrey (۱۸۶۳۔۱۹۵۶ء) اور اینڈریو رپن (Andrew Rippin (پیدائش ۱۹۵۰ء) شامل ہیں۔

مستشرقین کے نزدیک قرآن مجید کے مصادر

قرآن مجید کے مصادر کے حوالہ سے مستشرقین بھی اسی نوع کے اختلاف میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ جس کا شکار مشرکین مکہ تھے۔ خود قرآن مجید ہی کے بیان کے مطابق اس کے اولین مخاطبین میں سے ایک جماعت نے اسے شعر قرار دیا ہے تو دوسری نے سحر' بعض نے کاہنوں کا کلام اور بعض نے تورات وانجیل کا خلاصہ کہا۔ لیکن قرآن مجید ان سب دعاوی کے جواب میں ناقدین کو صرف اتنا کہہ کر مسکت جواب دے دیتا ہے کہ اس جیسی کوئی ایک آیت ہی لے آؤ۔ شعر' جادو' کہانت اور سابقہ الہامی کتب سے اخذ واستفادہ کی صلاحیت ایک عام شاعر' ساحر' کاہن' پادری اور ربی میں بھی ہوتی ہے۔ اگر یہ جادو' کہانت' شعر یا الہامی کتب سے اخذ واستفادہ ہے تو تم

اس کلام کے جیسی ایک سورت یا آیت ہی لے آؤ تو تمہارا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ (۱۱)

(۱) جاہلی شاعری: مستشرقین کی ایک جماعت نے شعر جاہلی کو قرآن کا ایک اہم مصدر قرار دیا ہے۔ کلیر تسدلال نے اپنی کتاب کے حواشی میں اس بارے مفصل بحث کی ہے۔ اس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے امیہ بن ابی صلت اور امرؤ القیس کے اشعار سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن وضع کیا ہے۔ (۱۲) تسدال نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں کچھ ایسے اشعار بھی نقل کیے ہیں کہ جن میں اور قرآن مجید کے اسلوب کلام میں مشابہت پائی جاتی ہے' مثلاً تسدال کے بقول امیہ کے اشعار ہیں:

ويوم موعدهم أن يحشروا زمرا — يوم التغابن إذ لا ينفع الحذر
مستوسقين مع الداعى كأنهم — رجل الجراد زفته الريح منتشر
وأبرزوا بصعيد مستوجرز — وأنزل والميزان والزبر
فمنهم فرح راض بمبعثه — وآخرون عصوا مأواهم سقر
يقول خزانها ما كان عندكم — ألم يكن جاء كم من ربكم نذر
قالوا: بلى فتبعنا فتية بطروا — وعزنا طول هذا العيش والعمر (۱۳)

اسی طرح تسدال نے کہا ہے کہ امرؤ القیس کے درج ذیل اشعار کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ محمد ﷺ نے سورۃ القمر کے مضامین ان سے اخذ کیے ہیں:

دنت الساعة وانشق القمر — عن غزال صاد قلبى ونفر
أحور قد حرت فى أوصافه — ناعس الطرف بعينه حور
مر يوم العيد فى زينته — فرمانى فتعاطى فعقر
بسهام من لحاظ فاتك — فتركنى كهشيم المحتظر
وإذا ما غاب عنى ساعة — كانت الساعة أدهى وأمر
كتب الحسن على وجنتيه — بسحيق المسك سطرا مختصر
عادة الأقمار يسرى فى الدجى — فرأيت الليل يسرى بالقمر
بالضحى والليل من طرفه — فرقه ذا النور كم شىء زهر
قلت إذا شق العذار خده — دنت الساعة وانشق القمر (۱۴)

درج ذیل اشعار کو بھی امرؤ القیس کے اشعار قرار دیتے ہوئے انہیں قرآن کا ماخذ قرار دیا گیا ہے:

أقبل والعشاق من خلفه — كأنهم من كل حدب ينسلون
وجاء يوم العيد فى زينته — لمثل هذا فليعمل العاملون (۱۵)

مسلم اسکالرز کا کہنا یہ ہے کہ اس بات کی کوئی تاریخی دلیل نہیں ہے کہ یہ اشعار امیہ اور امرؤ القیس کے ہیں۔ غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ بنوعباس کے دور کے کسی شاعر کے اشعار ہیں کہ جس نے اپنی شاعری میں قرآنی اسلوب کے ٹانکے لگائے ہیں۔ عربی زبان وادب کی تاریخ کے طلبہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ

اسلامی دور کے بعض شعراء نے اپنے کلام کی نسبت جاہلی شعراء کی طرف بھی کی ہے' جیسا کہ ہمیں حماد الراویہ اور خلف الأحمر کے نام ملتے ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ مابعد کے زمانوں کے کسی شاعر نے اپنے کلام میں قرآنی اسلوب کا ٹانکا لگانے کے بعد اس کی نسبت بڑے شعراء کی طرف کر دی ہو۔ (۱۶)

امیہ بن ابی صلت طائف کا رہنے والا تھا۔ نزولِ وحی کے زمانے میں یہ شخص موجود تھا اور ۹ ہجری میں اس کی وفات ہوئی ہے۔ اسے بُت پرستی سے بے رغبتی تھی۔ دورِ جاہلیت میں اس کا شمار حنفاء میں ہوتا تھا۔ ایک نبی کے آنے کی خبر بھی دیتا تھا لیکن اسے امید یہ تھی کہ وہ نبی یہ خود ہوگا۔ پس جب اسے اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کے بارے میں خبر ملی تو حسد کی وجہ سے انکاری ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا شعر پڑھنے کے بعد فرمایا تھا: **آمن لسانه و كفر قلبه** یعنی اس کی زبان مؤمن ہے لیکن دل کافر ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ بھی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امیہ نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہے اور ۹ ہجری تک زندہ رہا ہے' لہٰذا جہاں مستشرقین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید اس کے شعر سے مستفاد ہے وہاں اس بات کا بھی قوی امکان موجود ہے کہ امیہ نے قرآن کے مضامین اور اسالیب کو اپنے اشعار میں نقل کیا ہو' جیسا کہ اُس نے تورات وانجیل کے مضامین کو بھی اشعار کی صورت دی ہے۔ پس محض اسی پر اصرار کرنا کہ قرآن مجید امیہ کے اشعار سے مستفاد ہے' ڈھٹائی سے کم رویہ نہیں ہے۔

استاذ محمد عبدالمنعم خفاجی کا کہنا یہ ہے کہ امیہ اپنے اشعار میں قرآنی اسالیب وتراکیب سے استفادہ کرتا ہے۔ امیہ اپنے اشعار میں اکثر وبیشتر آخرت' جنت' جہنم اور سابقہ امتوں کے قصص بیان کرتا تھا۔ اس کے اشعار میں بہت سے قصص ایسے ہیں جو تورات وانجیل کے بیان سے کُلی طور مشابہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کی طرح تورات وانجیل سے بھی استفادہ کیا ہے۔ (۱۷)

مشرکین مکہ' جو آپ کو شاعر' کاہن اور مجنون کا لقب دینے سے بھی باز نہیں آئے' کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی امیہ کے اشعار سے مشابہت کو نظر انداز کر دیا ہو۔ عتبہ بن ربیعہ جب سردارانِ قریش کا مطالبہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اسے قرآن کا کچھ حصہ سنایا تو اس نے واپس آ کر اپنی مجلس میں یہی بیان دیا کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے جو نہ شعر ہے' نہ کہانت۔

(۲) عرب حُنفاء: بعض مستشرقین نے دورِ جاہلی میں موجود حنفاء کو بھی قرآن مجید کا ایک مصدر قرار دیا ہے۔ ان کے بقول ان حنفاء کے افکار اور قرآن مجید کے مضامین میں بہت حد تک تشابہ پایا جاتا ہے' مثلاً وحدانیت کی دعوت دینا' بت پرستی کا انکار' وعد ووعید' اللہ کو رحمٰن' رب اور غفور جیسے ناموں سے پکارنا' بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کرنا اور بعث بعد الموت اور حشر ونشر کا اقرار وغیرہ۔ الائے اسپرنگر کا خیال یہ ہے کہ آپ کی کل فکر زید بن عمرو بن نفیل سے ماخوذ ہے۔

حنفاء دراصل دور جاہلیت میں لوگوں کی وہ جماعت تھی جو بت پرستی سے بیزار تھی اور وحدانیت کی طرف مائل تھی' لیکن ایسا رجحان رکھنے والے یہ حضرات بھی کسی ایک رائے پر متفق نہ تھے' بلکہ ان میں بھی باہم اختلافات تھے۔ اور ان لوگوں کو زبان معروف عرب خطیب قس بن ساعدہ کے کلام نے دی۔ قس بن ساعدہ نے ایک دفعہ

عُکاظ کے میلہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"كلا بل هو إله واحد، ليس بمولود ولا والد، أعاد وأبدى، وأمات وأحيا، وخلق الذكر والأنثى، رب الآخرة والأولى، أما بعد: فيا معشر إياد، أين ثمود وعاد؟ وأين الآباء والأجداد، وأين العليل والعواد، كل له معاد، يقسم قس بن ساعدة برب العباد، وساطع المهاد، لتحشرن على الانفراد، فى يوم التناد، إذ نفخ فى الصور، ونقر فى الناقور، وأشرقت الأرض، ووعظ الواعظ، فانتبذ القانط والصبر اللاحظ، فويل لمن صدف عن الحق الأشهر، والنور الأزهر، والعرض الأكبر، فى يوم الفصل، وميزان العدل، إذا حكم القدير، وشهد النذير، وبعد النصير، وظهر التقصير، ففريق فى الجنة وفريق فى السعير۔" (۱۸)

فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ 'عبدالقیس' کے لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور وہ زبان کی فصاحت وبلاغت میں معروف تھے۔ اس وفد نے عیسائیت کو ترک کرتے ہوئے اسلام قبول کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے قس بن ساعدہ کے بارے سوال کیا تو ان میں سے ایک شخص جارود بن معلّٰی نے آپ کو اس کا تعارف کروایا اور آپ کے سامنے اس کا درج بالا خطبہ نقل کیا۔

قرآن مجید بار بار یہ واضح کرتا ہے کہ وہ فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝٢﴾ (یوسف)

''بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ۝١٠٣﴾ (النحل)

''اور یہ قرآن مجید فصیح عربی زبان میں ہے۔''

عربی قرآن سے مراد، قرآن مجید کا اہل عرب کے محاورے میں نزول ہے، لہٰذا قرآن مجید اور اہلِ عرب کے اسلوبِ کلام میں چند محاوروں کی مماثلت ایک ممکن امر ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا اور وہ یہ کہہ رہے تھے اے قریش کی جماعت! میں نے آج دین ابراہیمی پر صبح کی ہے۔ اے اللہ تعالیٰ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں کیسے عبادت کروں کہ تجھے پسند آجائے تو میں ضرور کرتا لیکن مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ پھر وہ اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے سجدہ کرتے تھے۔ (۱۹)

یہ حضرات بیت اللہ کی تعظیم کرتے تھے اور ان کی عبادت سجدہ ہوا کرتی تھی۔ مردار سے اجتناب کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے نصرانیت اور یہودیت اختیار کر لی، جیسا کہ ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث وغیرہ ہیں اور بعض نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے، جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل، ابی قیس بن اسلت اور عبیداللہ بن جحش کا معاملہ ہے۔ تو جو عیسائی ہو گئے، ان کی تو آپ ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام مخالفت کر رہا ہے، لہٰذا وہ کیسے اسلام یا قرآن مجید کے مصادر بن گئے؟ اور

جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تو ان کا اسلام قبول کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسلام کے مآخذ نہیں تھے بلکہ اسلام ان کے لیے ایک مصدر ثابت ہوا۔ (۲۰)

اگرچہ بعض حنفاء سے اللہ کے رسول ﷺ کی ملاقات ثابت ہے لیکن یہ اتفاقی ملاقات تھی اور اس ملاقات کو مبالغہ آمیز بیانات کے ذریعے آپ کو ان کا کوئی باقاعدہ شاگرد ثابت کرنا خلافِ حقیقت اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ورقہ بن نوفل سے دو دفعہ کی آپ کی ملاقات کا ذکر ہمیں تاریخی روایات میں ملتا ہے۔ ایک دفعہ پہلی وحی کے نازل ہونے کے موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ان کی خدمت میں لے گئیں اور دوسری دفعہ راستے میں ملاقات ہوئی تھی جس میں اس نے آپ کے سر مبارک کا بوسہ لیا اور کہا کہ آپ اس امت کے نبی ہیں اور اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ کاش وہ اس وقت تک زندہ رہے جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی اور وہ اس وقت آپ کی مدد کرے۔ (۲۱)

ادنیٰ سے غور وفکر سے ان حنفاء اور قرآن مجید جیسے کلام میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید ایک مکمل نظام حیات کو بیان کر رہا ہے' ایک جامع شریعت ہے۔ عقائد' عبادات' عائلی زندگی' معاشرت' معیشت اور سیاست وغیرہ سے متعلق ایک مکمل فکر پیش کرتا ہے۔ اس مفصّل و جامع اور فصیح و بلیغ کلام' کہ جس کا مقابل لانے سے اہل عرب قاصر تھے' کو دو چار جملوں کی مشابہت کی وجہ سے حنفاء کے کلام سے ماخوذ قرار دینا دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔ قس بن ساعدہ نے ہجرت سے ۲۳ برس قبل ۶۰۰ء کے لگ بھگ وفات پائی ہے۔ جب فتح مکہ کے موقع پر اس کے قبیلہ 'ایاد' کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتلایا کہ اس کی وفات ہو چکی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ میں نے اسے ایک مرتبہ عکاظ کے بازار میں خطبہ دیتے دیکھا تھا لیکن مجھے اس کے الفاظ یاد نہیں ہیں۔ اس پر ایک اعرابی نے کہا کہ مجھے یاد ہے اور اس نے اس خطبہ کو وہاں آپ کی مجلس میں نقل کیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے اس خطبہ کے الفاظ دہرائے لیکن ان الفاظ میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو قرآن مجید کے ذخیرۂ الفاظ میں سے ہو۔ (۲۲) ان حنفاء میں سے ایسے بھی ہیں جو ایک نبی کے آنے کی خبر دے رہے ہیں اور اس کی نصرت وحمایت کے داعی ومشتاق ہیں' جیسا کہ اُمیہ بن ابی صلت کا معاملہ ہے۔

(۳) تورات وانجیل: جرمن یہودی مستشرق ابراہیم گائیگر (۱۸۱۰۔۱۸۷۴ء) کا خیال ہے کہ قرآن مجید انجیل سے متاثر ہے۔ اس نے اس خیال کا اظہار ۱۸۳۳ء میں اپنی ایک تحریر Was hat Mohammed aus dem Judentume aufgenommen? میں کیا۔ فیلپ ہٹی Philip Khuri Hitti (۱۸۸۶۔۱۹۷۸ء) نے اپنی کتاب Islam and the West: A Historical Cultural Survey میں قرآن مجید کے مصادر میں یہودیت' عیسائیت اور عرب مشرکین کو بیان کیا ہے۔ (۲۳)

مستشرقین جہاں انجیل یا عیسائیت کو اسلام اور قرآن مجید کا ایک مصدر گردانتے ہیں تو وہاں ان کے لیے ایک سوال یہ ہے کہ عیسائیت تو مکہ یا اس کے گردونواح میں موجود نہیں تھی تو محمد ﷺ نے عیسائی افکار کہاں سے معلوم کیے؟ پس جب عیسائی موجود نہیں تھے تو انجیل کہاں سے ہوگی؟ رچرڈ بیل نے کہا ہے کہ اگرچہ ایسی تاریخی

روایات تو ملتی ہیں کہ بیت اللہ کی دیوار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر موجود تھی لیکن اس بات کے کوئی شواہد موجود نہیں ہیں کہ مکہ یا اس کے گردونواح میں عیسائی موجود تھے۔ (۲۴) ڈاکٹر ہیملٹن گِب Hamilton Alexander Rosskeen Gibb (۱۸۹۵۔۱۹۷۱ء) نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مکہ سے تجارتی قافلے یمن جایا کرتے تھے اور دونوں شہروں میں ایک باہمی تجارتی تعلق بھی موجود تھا۔ انہی قافلوں کے ذریعے عیسائی تعلیمات وافکار مکہ پہنچے اور انہیں محمد ﷺ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ایڈجسٹ کیا۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید کے ذخیرۂ الفاظ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یمن کے عیسائی افکار تجارتی قافلوں کے راستے مکہ پہنچ چکے تھے۔ (۲۵)

قرآن مجید نے بہت سے بیانات میں اناجیل کی مخالفت کی ہے' جیسا کہ انجیل واحد کا اثبات' تثلیث کی نفی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کی نفی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب دیے جانے کی نفی وغیرہ۔ اگر تو قرآن مجید ان اناجیل کا ناقل ہی ہوتا تو بہت سے مقامات پر ان سے اختلاف نہ کرتا۔ (۲۶) علمِ تاریخ کی روشنی میں کوئی ایسی علامت موجود نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں انجیل کا عربی ترجمہ موجود تھا۔ مشرکین مکہ نے بھی آپ پر یہ اعتراض وارد کیا تھا کہ کوئی عیسائی معلم آپ کو تعلیم دیتا ہے' لیکن جسے آپ ﷺ کا معلم قرار دیا جاتا تھا' اس کی زبان عجمی تھی اور قرآن فصیح عربی زبان میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾﴾ (النحل)

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) کو اس قرآن کی تعلیم ایک شخص دیتا ہے۔ جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن مجید فصیح عربی زبان میں ہے۔''

اسی طرح قرآن مجید کے جو مصادر بیان کیے جاتے ہیں یعنی تورات وانجیل' ان کے قدیم ترین نسخے عبرانی اور یونانی میں تھے اور یہ دونوں زبانیں اہل عرب کے لیے اجنبی تھیں۔ بائبل کا قدیم ترین عربی ترجمہ نویں صدی عیسوی میں ہوا' یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے تقریباً دوسو سال بعد۔ (۲۷)

قرآنی نص پر مستشرقین کے اعتراضات

مستشرقین کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں محمد ﷺ کے صدق وامانت میں کوئی شک نہیں ہے اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ ایک عبقری انسان اور عظیم مصلح تھے' لیکن انہیں جو الہامات وحی کی صورت میں ہوتے تھے وہ کسی عالم غیب یا ماورائی دنیا سے نہ تھے یا آسمان الفاظ میں آسمانی پیغام نہ تھا بلکہ یہ ان کے اپنے نفس' وجود اور شعور کی گہرائیوں سے پیدا ہونے والے چند پیغامات تھے جنہیں ان کی پاکیزہ وعالی طبیعت' وسیع وعمیق احساس اور ذوقِ سلیم نے آسمان سے نازل ہونے والی وحی سمجھ لیا۔ وحی کی حقیقت کے بارے میں اس قسم کے خیالات کا اظہار ہیملٹن گب نے کیا ہے۔ گب نے وحی قرآنی کو Muhammad's Utterances قرار دیا۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ مکی قرآن کا اسلوبِ بیان کاہنوں سے ملتا جلتا ہے۔ (۲۸) اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ خدا خوفی یا آخرت کا ڈر ایک ایسا ہتھیار تھا جسے محمد ﷺ آخر دم تک اپنے مخالفین کو دھمکانے کے لیے استعمال کرتے رہے۔ (۲۹) جرمن مستشرق بروکلمان Carl Brockelmann (۱۸۶۸۔۱۹۵۶ء) نے بھی کہا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنی دعوت میں

کاہنوں کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کاہنوں کے اسلوبِ کلام کی مذمت کی ہے' جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے واضح ہے۔[۳۰] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾﴾ (الطور)

''پس (اے نبی ﷺ!) آپ نصیحت کرتے رہیں' آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ ہی مجنون۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾﴾ (الحاقة)

''اور یہ قرآن مجید کسی شاعر کا کلام نہیں ہے' مگر تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے' مگر تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اگر نبیؐ نے [بفرضِ محال] ہم پر جھوٹ گھڑا ہوتا تو ہم انہیں داہنے ہاتھ سے پکڑتے۔''

جو مستشرقین خدا کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں تو ان کے لیے اس شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ گھڑے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی پکڑ میں نہیں لے گا۔ آپ ﷺ کی دُنیوی کامیابیاں بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ جس کلام کی نسبت آپ اللہ کی طرف کر رہے تھے' وہ واقعتاً اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ کلام تھا۔

آسٹرین مستشرق الائے اسپرنگر Aloys Sprenger (۱۸۱۳۔۱۸۹۳ء) کا خیال ہے کہ غارِ حراء میں تنہائی کی ریاضتوں نے محمد ﷺ کی قوتِ تخیل کو بڑھا دیا تھا جس کی وجہ سے انہیں یہ غلط فہمی لاحق ہوئی کہ کوئی فرشتہ آسمانوں سے ان کے پاس وحی لے کر نازل ہوا ہے۔[۳۱] اس نے حالت وحی کو مرگی کی حالت سے تشبیہہ دی ہے اور بعض نے تو اسے ہسٹیریا قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ وحی کی کیفیت کے دوران آپ کا جسم بھاری ہو جاتا' آپ کے پسینے چھوٹ جاتے اور آپ پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اور آپ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کی کوشش کرتے۔ رویسٹن پائیک Royston Pike کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ کو عجیب و غریب آوازیں سنائی دیتی تھیں' بعض اوقات وہ کانپنا بھی شروع ہو جاتے تھے' سخت سردی میں انہیں پسینہ آ جاتا۔[۳۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مصنف الفرڈ ویلچ Alford T. Welch کا خیال ہے کہ قرآن محمد ﷺ کے فکری ارتقاء کا دوسرا نام ہے۔[۳۳] میکسم روڈنسن Maxime Rodinson (۱۹۱۵۔۲۰۰۴ء) نے قرآن مجید کو سمعی بصری خطائے حس (auditory visual hallucination) قرار دیا۔[۳۴]

سوال تو یہ ہے کہ کیا کسی ایسی بیماری کے حاملین' حاملِ شریعت (law giver) یا سربراہ ریاست ہو سکتے ہیں؟ جبکہ یہ بھی بالکل واضح ہے کہ یہ بیماری فکری صلاحیتوں کے مٹانے' حافظے کے نقصان اور مزاج کے بگاڑ وغیرہ کا باعث ہے' جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کی فکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت اس دعویٰ کا انکار کر رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾﴾ (القلم)

''(اے نبی ﷺ!) آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔''

ولیم میور کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ عرب معاشرے کی پست اقدار سے تنگ تھے' لہٰذا آپ غور وفکر اور مراقبوں کی طرف مائل ہوئے' جس کے نتیجے میں آپ نے خدا' انسان' آخرت اور خیر وشر کے بارے میں کچھ تصورات کو شاعری یا خود گوئی (poetry and soliloquy) کی صورت میں بیان کرنا شروع کیا۔ لیکن جب مخاطبین نے یہ کہا کہ ایک پیغمبر زیادہ اس لائق ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے تو محمد ﷺ نے اپنی پوزیشن پر غور کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے اور انہوں نے اس ذہنی کیفیت میں کچھ عجیب سا منظر (apparition) دیکھا جسے انہوں نے فرشتے سے تعبیر کیا اور وہ مسلسل ایسا کلام پیش کرتے رہے جو ان کے دل ودماغ میں موجود بیماری کی حد تک بڑھے ہوئے جوش وجذبے کے نتیجے میں نیم مدہوشی کے عالم میں ان سے صادر ہوتا تھا۔ (۳۵) ولیم میور کے اعتراضات کا جواب سرسید احمد خان نے اپنی کتاب 'خطبات احمدیہ' میں دیا ہے جو ۱۹۰۰ء میں علی گڑھ سے شائع ہوئی اور اس کا انگریزی ترجمہ ۷۰۔۱۸۶۹ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔

رچرڈ بیل' مارگولیتھ اور منٹگمری واٹ کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ نے پہلے اللہ کو دیکھنے اور براہِ راست وحی وصول کرنے کا دعویٰ کیا جبکہ جبرائیل کے واسطے کا تصور بعد میں متعارف کروایا گیا۔ وحی سے مراد تجویز یا الہام (suggestion or inspiration) ہے نہ کہ لفظی تبادلہ خیال۔ (۳۶) دوسری طرف منٹگمری واٹ کا کہنا یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کو محمد ﷺ کی ذاتی تصنیف قرار دینا درست نہیں ہے' کیونکہ آپ کا یقین کامل تھا کہ آپ اپنی سوچ اور وحی میں فرق کر سکتے تھے۔ (۳۷) لیکن ساتھ ہی اس کا خیال یہ بھی ہے کہ قرآن مجید الفاظ کے بغیر فکری تبادلہ خیال (simple communication of thought without words) کی کوئی صورت ہے۔ (۳۸) حالانکہ قرآن مجید میں ۱۲۵ مقامات ایسے ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ نازل شدہ کلام ہے۔ اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ جو نازل ہوا ہے وہ متعین الفاظ ہیں نہ کہ کوئی خیال' سوچ یا الہام۔ ایک اور مقام پر منٹگمری واٹ نے وحی کو Creative Imagination اور Collective Unconscious قرار دیا ہے۔ (۳۹) اس کے بقول اللہ کے رسول ﷺ نے ورقہ بن نوفل سے ملاقات کے دوران عیسائیت کی تعلیم کے ذریعے اصلی رسالت کے پیغام کو سمجھا اور اسے اپنے تخیل وفکر کی قوت سے پروان چڑھایا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو مخلص تو قرار دیتا ہے لیکن غلط فہمی میں مبتلا بھی قرار دیتا ہے۔ اس کے بقول ایک مخلص شخص بھی غلط ہو سکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ نے جس وحی کو خارج سے کوئی آسمانی پیغام سمجھا وہ دراصل ان کے شعور کی آواز تھی۔ (۴۰)

مستشرقین کے اس اعتراض پر سوال یہ ہے کہ اگر یہ کلام انسانی تخیل یا اجتماعی لاشعور یا انسانی تخلیق تھا تو قرآن مجید نے جب اس جیسا کلام لانے کا چیلنج دیا تو اہلِ عرب کی اکثریت فصیح اللسان ہونے کے باوجود اس جیسا کلام کیوں نہ لا سکی؟ امرِ واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کے جمیع اعتراضات وہی ہیں جو ان سے بہت پہلے مشرکینِ مکہ کر چکے تھے اور ان کا کافی وشافی جواب بھی انہیں خود قرآن ہی دے چکا تھا۔ سورۃ العنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾

''(اے نبی ﷺ!) آپ قرآن مجید کے نزول سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے داہنے

ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو قرآن مجید کو باطل قرار دینے والے ضرور شک میں پڑ جاتے (یعنی اس صورت ان کے شک میں پڑنے کی گنجائش موجود تھی)۔''

بعض مستشرقین نے قرآن پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ اس میں کمی بیشی ہوئی ہے' جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور معوذتین شامل نہیں تھیں اور وہ کہا کرتے تھے کہ معوذتین قرآن کا حصہ نہیں ہیں۔ حالانکہ امام عاصم نے زر بن حبیش کی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو قراءت نقل کی ہے' اس میں فاتحہ اور معوذتین دونوں موجود ہیں۔ بعض مستشرقین نے یہ بھی کہا ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسی سورتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں' جیسا کہ سورۃ الخلع' سورۃ الحفد اور قنوت وغیرہ۔ جبکہ امام نافع نے جو قراءت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے' اس میں یہ سورتیں موجود نہیں ہیں۔

بعض مستشرقین کا کہنا یہ بھی ہے کہ قرآن مجید سے 'متعہ' اہل بیت کی فضیلت وولایت سے متعلق بعض آیات یا سورتیں حذف کر دی گئیں۔ ان کے بقول حسین طبرسی کی کتاب 'فصل الخطاب فی إثبات تحریف کتاب ربّ الأرباب'' مطبوعہ ۱۲۸۹ء' ایران میں شیعہ علماء کی سینکڑوں ایسی نصوص جمع کی گئی ہیں کہ جن میں قرآن مجید میں کمی بیشی کا اثبات کیا گیا ہے۔ مفید نے اپنی کتاب تحریف القرآن' مجلسی نے تذکرۂ ائمہ' کلینی نے اصول کافی' قمی نے تفسیر قمی وغیرہ میں بعض آیات میں تحریف کا اثبات کیا ہے۔ بعض شیعہ علماء نے اس نقطہ نظر کا شدت سے رد بھی کیا ہے' جیسا کہ امام طبرسی نے 'مجمع البیان لعلوم القرآن' میں قرآن میں تحریف کے عقیدہ کی اہل تشیع کی طرف نسبت کا سختی سے رد کیا ہے۔

گاٹ ہیلف برگ ٹریسر Gotthelf Bergstrasser (۱۸۸۶۔۱۹۳۳ء)' تھیوڈور نولڈکے' آرتھر جیفری اور جوزف شاخت وغیرہ کا خیال ہے کہ قرآن میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو غیر عربی ہیں یا دوسری زبانوں مثلاً فارسی' حبشی' آرامی' یونانی اور لاطینی وغیرہ سے مستعار ہیں۔ برگ ٹریسر نے رمان' سوق' زیت' سبیل' خمر' کتاب' مرجان' تفسیر' باب' زجاج' رحمان' قیوم' سکین' خاتم' فرقان' سلطان' عالم' صلی' صام' زکاۃ' عبد' کفر' تاب وغیرہ کو آرامی سے مستعار قرار دیا ہے۔[۴۱] اسی طرح نولڈکے کا خیال ہے کہ قرآنی اصطلاح نبی عبرانی' دین فارسی اور ملت آرامی زبانوں سے ماخوذ ہیں۔[۴۲] اسی طرح اس نے اُمی' اَساطیر' فرقان' نسخ' منافق' الرحمٰن' مثانی وغیرہ کو بھی غیر عربی الفاظ قرار دیا ہے۔[۴۳] درست بات تو یہ ہے کہ آرامی بھی عربی زبان کا ایک لہجہ ہی ہے جو ناپید ہو چکا ہے۔

امام شافعی' امام طبری' ابن فارس' امام سیوطی' قاضی ابوبکر رحمہم اللہ کا موقف تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بھی عجمی لفظ موجود نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں جو دوسری زبانوں کے الفاظ موجود ہیں تو وہ اتفاقی مماثلت ہے۔[۴۴]

ڈاکٹر حسن ضیاء الدین عتر نے اپنی کتاب 'نقاء القرآن من الکلام الأعجمی' میں یہ کہا ہے کہ عربی زبان چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بھی پہلے سے چلی آ رہی ہے لہٰذا اس زبان میں مستعمل جن الفاظ کی اصل' مصدر یا اشتقاق موجود نہیں ہے تو یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے مصادر یا اشتقاقات وقت کے ساتھ متروک

ہوگئے' جبکہ یہ الفاظ باقی رہے۔ ایسی تحقیقات سے مستشرقین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نہ صرف غیرعربی زبانیں سیکھا کرتے تھے بلکہ ان سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔

آرتھر جیفری نے کہا ہے کہ مصحف عثمانی چونکہ نقاط' اعراب اور حرکات کے بغیر تھا لہٰذا ایک ہی لفظ کو ایک قاری 'یعلمه' پڑھتا اور دوسرا 'نعلمه'۔ کچھ 'تعلمه' پڑھتے تو کچھ 'بعلمه'۔ یہی بات اس سے پہلے گولڈ زیہر بھی کر چکا تھا۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ قراءاتِ قرآنیہ رسم کے تابع ہیں' یعنی رسم سے جتنی قراءات نکل سکتی تھیں وہ قراء نے نکال لیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسم قراءت کے تابع ہے۔ مسلمان علماء میں سے ابن مقسم (متوفی ۳۵۴ھ) کا یہ خیال تھا کہ اگر کسی قراءت کی گنجائش رسم مصحف سے نکلتی ہو اور عربی زبان کے قواعد کے موافق ہو' خواہ اس کی سند نہ بھی ہو تو ایسی قراءت جائز ہے۔ جبکہ ابن شنبوذ (متوفی ۳۲۸ھ) کا کہنا تھا کہ محض سند پر اعتماد کرنا چاہیے' یعنی اگر کسی قراءت کی سند مل جائے تو چاہے وہ رسم مصحف کے مطابق نہ بھی ہو تو بھی اسے پڑھنا جائز ہے۔ (۴۵) حالانکہ ایسی قراءات میں یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ وہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو چکی ہوں۔ ابن شنبوذ اور ابن مقسم سے سلطان نے علماء وفقہاء کی موجودگی میں توبہ کروائی تھی اور ان کی توبہ باقاعدہ لکھی بھی گئی تھی۔ (۴۶)

مصادر ومراجع

(1) Since its first publication in 1955, the interpretation by A.J. Arberry has continued to be a vital influence over the decades. Today, it has come to be regarded as one of the most authoritative, faithful, fluid, and readable interpretations of the Qur'an, recommended by academics and general readers alike. Rendered into accessible English verse, this text continues to be praised for its language, literary quality, and its even-handed approach, making it valuable not only for those new to the Qur'an, but also for bilingual Muslims, non-Arabic-speaking students of the Qur'an, and a wide range of other readers. http://www.oxfordislamicstudies.com/Public/book_tki.html

(۲) حسن سعيد غزالة الدكتور' أساليب المستشرقين فى ترجمة معانى القرآن الكريم دراسة أسلوبية لترجمتى سيل وآربرى لمعانى القرآن الكريم إلى الإنجليزية' ص۱۸' طبعة إلكترونية تنزيلها من:
http://www.muslim-library.com/book,838,1.html

(3) John Edward WansbroughQuranic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretation,Prometheus Books, 2004, pp. 122-227.

(4) Their accounts will be re-examined in the light of studies by GoldZiher and Schacht. (John Burton, The Collection of The Qu'naan, Cambridge University Press, 1979, p.5)

(5) The reports are a mass of confusions, contradictions and inconsistencies. by their nature, thet represent the product of a lengthy process of evolution,

accrtion and improvement. (Ibid, p. 225)

(6) Ibid, pp. 239-240.

(7) The Kernel of our problem is that the majority of the madahib are unanimously of the view that in certain circumstances, the penality for adultery is death by stoning. Now, we know that this penality is not only nowhere mentioned in our texts of the Quran, it is totally incompatible with the penality that is mentioned.(Ibid, p. 72)

(8) The exclusion of the Prophet from the collection of the Quran was a prime desideratum of the Usulis wrestling with the serious problems generated by some of their own theoratical positions. (Ibid, p. 160)

(9) The motives underlying the Uthman collection of the Quran have been shown to derive from the schools' attempts to smuggle into the Quran texts unwarranted interpolations designed to support local opinion on certain debated topics and calculated to swing the argument in their favour. (Ibid, p. 239)

(10) The exclusion of the Prophet from the task of the collecting and promulgating the revalations has been rationalised into the very impossibility of the doing so, on the ground that as long as he remained alive, a safe and certain recension of the valid revalations was unthinkable. With naskh a daily possibility, the extent to which the Quran would continue to have valid applicabilityfor the law could confidently be recognised only with the Prpphet dead and silent. (Ibid, p. 232)

(١١) البقرة:١٢٣' يونس:٣٨' الإسراء:٨٨' الطور:٣٤۔

(12) It is sometimes said in the East at the present day that Muhammad not only adopted many of the ancient habits and religions rites of the heathen Arabs and incorporated them into Islam, but that he was also guilty of plagiarism in borrowing parts of certain verses of Imrau'l Qais, an ancient Arabic poet. These, it is asserted, may still be found in the Qur'an. I have even heard a story to the effect that one day when Fatimah, Muhammad's daughter, was reciting the verse "The Hour has come near and the Moon has split asunder" (Surah LIV., Al Qamar, 1), a daughter of the poet was present and said to her "That is a verse from one of my father's poems, and your father has stolen it and pretended that he received it from God." This tile is probably false, for Imrau'l Qais died about the year 540 of the Christian era, while Muhammad was not born till A.D. 570, "the year of the Elephant."In a lithographed edition of the Mu'allaqat, which I obtained in Persia, however, I found at the end of the whole volume certain Odes there attributed to Imrau'l Qais, though not recognized as his in any other edition

of his poems which I have seen. In these pieces of doubtful authorshipI found the verses quoted below 1. Though they contain some obvious blunders, I think it best to give them without correction. The passages marked with a line above them occur also in the Qur'an (Surah LIV., Al Qamar, 1, 29, 31, 46; Surah XCIII., Adduha', Surah XXI., Al Anbiya 96; Surah XXXVII., As Saffat, 59), except that in some of the words there is a slight difference, though the meaning is the same. It is clear therefore that there is some connexion between these lines and the similar verses of the Qur'an. (John Burton, pp. 47-48)

(13) Ibid, 48.

(14) Ibid.

(15) Ibid.

(١٦) آراء المستشرقين: ٢٥٦ـ

(١٧) أيضاً: ص٢٥٦ـ٢٦٣ـ

(١٨) ابن كثير إسماعيل بن عمرو' البداية والنهاية' دار الفكر' بيروت' ١٩٨٦ء' ٢٣٣/٢ـ

(١٩) أيضاً: ٢٣٧/٢ـ

(٢٠) آراء المستشرقين: ٢٦٦ـ٢٦٧ـ

(٢١) أيضاً: ٢٦٧ـ

(٢٢) البداية النهاية:٢/ ٢٣٠ـ٢٣١ـ

(23) The Sources of the Quranic are unmistakenable: Christian, Jewish and Arab hesthenl.(Philip K. Hitti, Islam and the West: A Historical Cultural Survey, Nwe York: Robert E. Krieger Publishing Company, 1979, p. 15)

(24) In spite of traditions to the effect that the picture of Jesus was found on one of the pillars of Ka'aba, there is no good evidence of any seats of Christianity in the Hijaz or in the near neighbourhood of Makkah or even of Medina. (Richard Bell, The Origin of Islam in its Christian Enviorment, London: Frank Cass and Company Limited, 1968, p. 42.)

(25) In view of the close commercial relation between Mecca and Yemen it would be natural to assume that some religious ideas were carried to Mecca with the caravans of spices and woven stuffs, and there are details of vocabulary in the Quran which give colour to this assumption. H. A. R. Gibb, Mohammadanism: A Historical Survey, London: Oxford university Press, 1961, pp. 37-38.)

(٢٦) الدكتور عبد الحكيم فرحات' إشكالية تأثر القرآن الكريم بالأناجيل فى الفكر الاستشراقى الحديث' ص٢' تحميله من http://al-maktabeh.com/ar/play.php?catsmktba=769

(27) Bible translations into Arabiç Retrieved on 06 July, 2013 from http://en.wikipedia.org/wiki/Bible_translations_into_Arabic.

(28) In the earliest period of his preaching Mohammed's utterances were

delivered in a sinewy oracular style cast into short rhymed phrases, often obscure and sometimes preceded by one or more formal oaths. This style is admittedly that of the ancient kahins or Arabian oracle-mongers, and it is not surprising that Mohammed's opponents should have charged him with being just another such kahin. For this and other reasons his style gradually loosened out into a simpler but still rhetorical prose; and as social denunciations and eschatological visions passed into historical narrative, and that in turn at Medina into legislation and topical addresses, little was left of its original stylistic features but a loose rhyme or assonance marking the end of each verse, now anything from ten to sixty words long.
(Mohammedanism: An Historical Survey, H.A.R Gibb, Oxford University Press, London, 1950, 36-47.)

(29) Whatever may have been the channels through which these ideas reached Mohammed, the fear of God's 'wrath to come' dominated his thought throughout his later life. It was for him not only, nor even chiefly, a weapon with which to threaten his opponents, but the incentive to piety and good works of every kind. (Ibid.)

(۳۰) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الکھانۃ۔

(31) Whereas Springer says that Muhammad (SAWS) meditate in isolation, in this way his power of imagination increased, the fits of epilepsy enhanced, this condition betrayed him and led him to misunderstanding that it was divine revelation.(Dr. Farhat Aziz, International Journal of Humanities and Social Science, Vol. 1, No. 11 [Special Issue – August 2011])

(32) Royston Pike has written about the condition about the condition of revelation that the Muhammad (SAWS) fainted and expressed the most, nonsense views. He says Muhammad (SAWS) heard mysterious voices, he experience strange events, sometimes he (SAWS) began to tremble and then he (SAWS) fainted on his muscles distracted, in the chill cold, his face began to wet due to sweat. (Ibid)

(33) The Qur'an is the name of evolution in the thinking of Muhammad (Ibid)

(34) (Muhammad Mohar Ali, The Quran and the Orientalists, Jam'iyat Ihyaa' Minhaaj al-sunnah, Ipswich, 2004, First Edition, p. 94)

(35) Ibid, p. 135.

(36) Dr. Muhammad Khalifa, The Sublime Quran and Orientalists, International Islamic Publishers, Karachi, 1989, p. 12.

(37) Sometimes he [Muhammad] may have heard the words being spoken to him, but for most part he seems simply to have "found them in his heart". Whatever the precise "manner of revelation"-and several different 'manners'

were listed by Muslim scholars- the important point is that the message was not the product of Muhammad's conscious mind. He believed he could easily distinguish between his own thinking and these revelations. His sincerity in this belief must be accepted by the modern historian, for this alone makes credible the development of a great religion. The further question, however, whether the messages came from Muhammad's unconscious, or the collective unconscious functioning in him, or from some divine source, is beyond the competence of the historian. (The Cambridge History of Islam, Cambridge University Press,1980,Vol.1, p. 31)

(38) The Quran and the Orientalists, p. 173.

(39) Watt, W. M., Muhammad Prophet and Stateman, Oxford University Press, 1964, p. 237-239.

(40) "To say that Muhammad was sincere does not imply that he was correct in his beliefs. A man maybe sincere but mistaken. The modern Westerner has not difficulty in showing how Muhammad may have been mistaken. What seems to a man to come from 'outside himself' may actually come from his unconscious."(Ibid, p. 17)

(٤١) الدكتور مساعد بن سليمان بن ناصر الطيار' الدخيل من اللغات القديمة على القرآن من ظل كتابات بعض المستشرقين: عرض ونقد' ص ٣٣' تحميل الملف من
http://www.ahlalhdeeth.com/vb/showthread.php?t=227146

(٤٢) أيضًا: ص٣٧۔

(٤٣) أيضًا: ص٣٨۔٣٩۔

(٤٤) أيضًا: ص٤٢۔

(٤٥) الدكتور عبد الفتاح إسماعيل شلبى' رسم المصحف وأوهام المستشرقين فى قراء ات القرآن الكريم دوافعها' ودفعها' دار المنايرة' جدة' ص٣١۔

(٤٦) أيضًا: ص ٣٠۔٣١۔

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : تذکرۂ محمدین

مصنف : مولانا برکت اللہ بھٹو

ضخامت : ۲۳۰صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ المصباح' A-1 ذیل دار پارک' اچھرہ' لاہور

افضل البشر رسالت مآب ﷺ اللہ عزوجل کے آخری رسول ہیں۔ آپؐ کے عقیدت منداور جاں نثار اُمتی پورے کرۂ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ آپؐ کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ ہے۔ قرآن مجید آپؐ پر نازل ہوا جس میں آپؐ کا تذکرہ جا بجا ہے۔ آپؐ کا نام ''محمدؐ'' قرآن مجید میں چار دفعہ آیا ہے۔

ہر دور میں لوگ اچھے' باکردار اور مثالی شخصیات کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں جس سے اُن کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے اہلِ ایمان نے اپنے بچوں کا نام محمد رکھا' جن میں سے اکثر و بیشتر نے بڑے ہو کر عظیم کارنامے سرانجام دیے۔ اگرچہ تاریخِ اسلام میں ایسے قابلِ فخر لوگ بڑی تعداد میں ہوئے ہیں تاہم فاضل مصنف نے اس کتاب میں محمد نام کی بیس معروف شخصیات کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ اسلاف کے کارناموں کو جان کر جہاں اپنے دین کے ساتھ الفت اور عقیدت پیدا ہوتی ہے وہاں ان مشاہیر کے سنہری کارناموں سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے اور اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ علوم وفنون میں ترقی صرف اہلِ مغرب نے کی ہے۔ تاریخ اسلام میں سے محمد نام کے چند اشخاص جن کے کارنامے مسلمانوں کے لیے قابلِ فخر اور ہمت افزا ہیں' اس کتاب میں رقم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

☆ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ ☆ امام محمد بن محمد غزالیؒ ☆ امام محمد بن ادریس شافعیؒ

☆ علامہ محمد بن احمد ابن رشدؒ ☆ امام محمد بن عمر رازیؒ ☆ امام محمد بن حسن شیبانیؒ

☆ محمد بن احمد البیرونیؒ ☆ امام محمد بن سیرینؒ ☆ علامہ ابونصر محمد بن محمد فارابیؒ

☆ امام محمد بن جریر طبریؒ ☆ امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ☆ حافظ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہؒ

☆ محمد بن قاسمؒ ☆ محمد بن زکریا رازیؒ (امام علم طب)

(۲)

نام کتاب : حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

مصنف : عبدالرشید عراقی

ضخامت : ۱۸۴ صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر : القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

ملنے کا پتا: عبدالرشید عراقی، عراقی گیٹ سوہدرہ، براستہ وزیرآباد، ضلع گوجرانوالہ

زیرتبصرہ کتاب دو ابواب اور ایک ضمیمے پر مشتمل ہے۔ پہلا باب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے خلیفۃ المسلمین بننے تک ہے۔ دوسرے باب کا عنوان ''حضرت معاویہؓ ایک خلیفہ کی حیثیت سے'' ہے۔ پہلے باب میں حضرت معاویہؓ کا شجرۂ نسب دیا گیا ہے جو پانچویں پشت پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا ملتا ہے اور ان کی والدہ ہند کا شجرۂ نسب چوتھی پشت پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین چار سال پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ کے والد ابوسفیان اور والدہ ہند نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا تھا۔ قبولِ اسلام سے قبل وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سخت دشمن تھے، مگر امیر معاویہؓ کا نام کبھی آپؐ کے دشمنوں میں نہیں لیا گیا۔ آپؓ مکہ کے چند پڑھے لکھے لوگوں میں شامل تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپؓ کتابت وحی کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپؓ نے پہلے تینوں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پورے شام کا والی بنا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک گروہ نے ان کی بیعت کرنے کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص لینے کا مطالبہ کر دیا۔ حالات خراب ہونے شروع ہو گئے، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئیں جن میں ہزاروں مسلمان مارے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کے حالات پیدا ہو گئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ خلافت کی، بعدازاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سلطنت اسلامیہ کے امیر المؤمنین مقرر ہو گئے۔ آپ ۴۱ھ سے ۵۹ھ تک خلیفہ رہے۔ آپ بڑے زیرک اور سمجھ دار سیاستدان تھے۔ آپ کے عہد میں کئی شورشیں اٹھیں جنہیں آپؓ نے حکمت عملی کے ساتھ دبا دیا اور اسلامی سلطنت کو مضبوط کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں شامل نہ تھے۔ آپؓ پر کئی اعتراض کیے گئے ہیں۔ مصنف نے ان تمام الزامات کا جواب دیا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور سختی کے ساتھ اس کے حق میں لوگوں سے بیعت لی، جس کا جواز محل نظر ہے۔

کتاب کے آخر میں سات صفحات پر مشتمل ضمیمہ ہے جو پی ایچ ڈی کا ایک مقالہ ہے۔ کتاب میں مذکورہ عہد کے متعلق خاصی معلومات درج کی گئی ہیں۔

(۳)

نام کتاب : الفِقْه فی السِّند

مصنف : مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی

ضخامت : ۳۱۴صفحات' قیمت: درج نہیں

ناشر : القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' برانچ پوسٹ آفس خالق آباد' ضلع نوشہرہ

سندھ وہ سرزمین ہے جہاں سے برصغیر میں اسلام داخل ہوا —— اس لیے صوبہ سندھ کو ''باب الاسلام'' کہا جاتا ہے—— اس مردم خیز خطے میں بڑے بڑے اجل علمائے دین پیدا ہوئے ہیں۔''الفقه فی السند'' میں مصنف نے بڑی محنت اور کاوش سے سندھ کے فقہاء کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لیے یہ بڑی قابل قدر دستاویز ہے۔اس میں سندھ کی جغرافیائی حالت سے بات شروع کی گئی ہے۔ سندھ نام کی وجہ تسمیہ' اسلام سے پہلے سندھ کا مذہب' نیز یہاں کا فرمانروا کون تھا' سندھ میں اسلامی فتوحات کا آغاز کب ہوا' محمد بن قاسم کے حملے کے اسباب کیا تھے؟ ان چیزوں کا بیان تحقیق کی روشنی میں کیا گیا ہے۔سندھ کے قدیم اور جدید شہروں کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔

مصنف کی تحقیق کے مطابق خلافت فاروقی کے دوران ۱۵ھ میں اسلامی مہمات کا سندھ میں آغاز ہو چکا تھا' البتہ اس دور میں کسی نتیجہ خیز واقعہ کی نوبت نہ آسکی' کیونکہ سندھ کے مستقبل کا قطعی فیصلہ محمد بن قاسم کے ہاتھوں مقدر ہو چکا تھا۔مصنف کے بقول سندھ میں فقہ حنفی کو قبول عام ملا۔اس فقہ کی قبولیت کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

فقہائے سندھ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی تصنیفات کا تعارف حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ان کتابوں میں بیان کردہ بعض اہم مسائل کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔آخر میں سندھی فقہاء کی ایک طویل فہرست ان کی مختصر خدمات کے ساتھ رقم کی گئی ہے۔ یہ فہرست قدیم ترین فقہاء سے شروع ہو کر آج کے دور کے فقیہ علماء تک مکمل ہے' جس میں مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ' مولانا یوسف بنوریؒ اور مفتی ولی حسن ٹونکیؒ تک کا ذکر اور خدمات بڑی عقیدت کے ساتھ قلمبند کی گئی ہیں۔

کتاب ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔کہیں کہیں کمپوزنگ کی اغلاط ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

اعتذار

حکمتِ قرآن کے گزشتہ شمارے (اپریل۔جون ۲۰۱۳ء) کے صفحہ 82 پر غلطی سے ''غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لے ستّر کوڑوں کی سزا ہے'' لکھا گیا ہے' حالانکہ قرآن کی نص قطعی سے غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے سو(۱۰۰) کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ادارہ اس غلطی پر معذرت خواہ ہے۔(ادارہ)

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں "احیائے اسلام" کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی

- ابوالکلامؒ 'امام الہند' کیوں نہ بن سکے؟
- 'حزب اللہ' اور 'دارالارشاد' قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا "عبقریٔ وقت" کانگرس کی نذر کیوں ہو گیا؟
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں؟
- کیا اقامتِ دین کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے؟
- حضرت شیخ الہندؒ کیا کیا حسرتیں لے کر اِس دنیا سے رُخصت ہوئے؟

علماءِ کرام اب بھی 'متحد' ہو جائیں تو 'اسلامی انقلاب' کی منزل دُور نہیں!

فرائضِ دینی کا جامع تصوّر ○ رحم ○ عورت کی دیت اور دیگر مسائل پر ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی معرکۃ الآرا تحریروں اور خطبات کے علاوہ مؤرّخِ اسلام مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مولانا افتخار احمد فریدی، مہاجر کابل قاری حمید انصاری، پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا محمد زکریا، مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماءِ کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے مبسوط مقدّمے کے ساتھ

یہ کتاب کچھ عرصے سے آؤٹ آف پرنٹ تھی۔ اب اس کا نیا ایڈیشن جدید کمپیوٹر کمپوزنگ، خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہو گیا ہے!

ضخامت 620 صفحات قیمت 500 روپے

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501(042)

فیکس: 35834000(042) ای میل: maktaba@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

ذرا غور فرمایئے!

ہم نے بدید تعلیم کے حصول کیلئے کتنا وقت لگایا؟ | آیئے! اپنے وقت کا بہترین استعمال کرتے ہوئے

اپنی زندگیوں کو قرآن حکیم کی روشنی سے منور کریں

الحمدللہ انجمن خدام القرآن اسلام آباد کے زیر اہتمام راولپنڈی/اسلام آباد میں
13 ایک سالہ قرآن فہمی کورس کی کامیابی سے تکمیل کے بعد
اب راولپنڈی/اسلام آباد میں بیک وقت

قرآن فہمی کورس

کا آغاز کیا جارہا ہے۔

یہ کورس بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کیلئے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں۔ اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہشمند ہوں۔

آغاز ان شاء اللہ تعالیٰ 24 اگست 2013ء بروز ہفتہ
بمقام جامع مسجد گلزار قائد چکلالہ راولپنڈی (برائے خواتین حضرات)

آغاز ان شاء اللہ تعالیٰ 23 اگست 2013ء بروز جمعۃ المبارک بمقام قرآن اکیڈمی
تھرڈ فلور، ہل ویو پلازہ (فریسکو سویٹ کے اوپر) جناح ایونیو بلیو ایریا اسلام آباد

مضامین
- بنیادی قواعد تجوید
- آسان عربی گرامر
- ترجمہ قرآن مع عربی قواعد
- قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- مطالعہ حدیث
- سیرت النبی ﷺ
- عقائد و عبادات
- دینی موضوعات پر خصوصی لیکچرز

دورانیہ: دس ماہ | اوقات کار: شام 05:45 تا 09:30 (پیر تا جمعہ)

کورس کی معلومات اور پراسپکٹس حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

051-2605725, 2509178, 0332-5357269, 0334-8444880

Facebook: www.facebook.com/QAIslamabad
E-mail: islamabad@tanzeem.org, ahsen_1947@yahoo.com

انجمن خدام القرآن اسلام آباد بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سہ ماہی مجلّہ
نظریات
لاہور

مدیر
حافظ طاہر اسلام عسکری
(0321-8654067)

اشاعت خاص
اسلام اور سیاسیات

☆ اجتماعیت کے جدید تقاضے اور اسلام کا عادلانہ نظام
☆ جمہوریت سے تعامل کی شرعی حیثیت
☆ جمہوری اسلامی فکر و عمل کے نتائج کا جائزہ
☆ اسلامی سیاسی نظام: استشراقی استعماریت کی نظر میں
☆ جمہوریت، اقبالؒ کی نگاہ میں

فی شمارہ 90 روپے، اشاعت خاص 100 روپے، سالانہ 350 روپے

شمارہ اول پر اہل علم کے تاثرات

○ تحقیقی مجلّات میں قابل قدر اضافہ ہے۔
(ڈاکٹر سہیل حسن، نائب مدیر عام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)

○ خالص علمی اور فکری مجلّہ ہے، اس کے اغراض و مقاصد سے مکمل اتفاق ہے۔
(مولانا محمد خالد سیف، سابق محقق، اسلامی نظریاتی کونسل)

○ بہت اچھا، معیاری اور خوب صورت رسالہ ہے۔
(ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، سابق صدر، شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی)

○ اردو کے دینی رسائل میں ایک اہم اضافہ ہے۔
(حافظ محمد ادریس، نائب امیر، جماعت اسلامی پاکستان)

○ مجلّہ فکری جہاد کا علم بردار اور باطل افکار و نظریات کو قلع قمع کرنے کا عزم رکھتا ہے۔
(حافظ عاطف وحید ابن ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

رابطہ طیب بن خالد (منیجر) سہ ماہی نظریات، ادارۂ بحث و تحقیق
گلی نمبر ۱، سلمان پارک، بینک سٹاپ، 17 کلومیٹر فیروز پور روڈ، لاہور، فون: 0321-4548529

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah An-Nisa—cont...

(Ayaat 11-14)

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا
النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ
كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً
مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

(11) *"CONCERNING [the inheritance of] your children, Allah enjoins [this] upon you: The male shall have the equal of two females' share; but if there are more than two females, they shall have two-thirds of what [their parents] leave behind; and if there is only one daughter, she shall have one-half thereof. And as for the parents [of the deceased], each of them shall have one-sixth of what he leaves behind, in the event of his having [left] a child; but if he has left no child and his parents are his [only] heirs, then his mother shall have one-third; and if he has brothers and sisters, then his mother shall have one-sixth after [the deduction of] any bequest he may have made, or any debt [he may have incurred]. As for your parents and your children - you know not which of them is more deserving of benefit from you: [therefore this] ordinance from Allah. Verily, Allah is all-knowing, wise."*

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ
دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ
دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ
فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

(12) *"And you shall inherit one-half of what your wives leave behind, provided they have left no child; but if they have left a child, then you*

shall have one-quarter of what they leave behind, they may have made, or any debt [they may have incurred]. And your widows shall have one-quarter of what you leave behind, provided you have left no child; but if you have left a child, then they shall have one-eighth of what you leave behind, after [the deduction of] any bequest you may have made, or any debt [you may have incurred]. And if a man or a woman has no heir in the direct line, but has a brother or a sister, then each of these two shall inherit one-sixth; but if there are more than two, then they shall share in one third [of the inheritance], after [the deduction of] any bequest that may have been made, or any debt [that may have been incurred], neither of which having been intended to harm [the heirs]. [This is] an injunction from Allah: and Allah is all-knowing, forbearing."

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(13) *"These are the bounds set by Allah. And whoever pays heed unto Allah and His Apostle, him will He bring into gardens through which running waters flow, therein to abide: and this is a triumph supreme."*

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

(14) *"And whoever rebels against Allah and His Apostle and transgresses His bounds, His Will He commits unto fire, therein to abide; and shameful suffering awaits him."*

Note: *All Translations employed are from the wrok of Muhammad Asad*

Epigrammatic Interpretation

These four verses must be taken as a seamless unit in order to understand the subject content and context. The first two verses deal with 'Ahkam' (injunctions) of inheritance, while the latter two expound on the rationale behind the revealed verses and the consequences of acting on them or otherwise.

Verse 11 starts with the emphatic statement, 'Allah (SWT) enjoins upon you regarding your children', indicating what is to follow shall be of prime importance in the everyday lives of individuals, structure of the family and the fabric of the society at large. The Qur'an uses such accentuation whenever a message of profound importance is to be delivered to mankind. This section is an epitome of the eloquence and comprehensiveness of the word of Allah, where the entire law of Inheritance as envisioned by Islam has been outlined in merely four Ayat. Muslim commentators and jurists have expounded these verses and the laws contained therein to write volumes on Islamic laws of

inheritance. The inclusive and comprehensive nature of these verses not only testify to the miracle of Qur'anic articulacy, but also serve as a basis for understanding the significance of women's rights as espoused by Islam. One has to remark that these verses in which the rights to life, property, inheritance and dignity of women have been championed by Islam were revealed 1400 years ago, at a time when women were generally treated as slaves or worse, in the east and the west alike.

The verse explicates important injunctions placed in reference to the Islamic laws of inheritance and states their rationale. From the onset, it draws attention of people towards the responsibility to their blood relatives, particularly the young, weak or vulnerable, particularly children.

It would be useful to mention that the reader must note of the following important rules when endeavoring to understand and interpret the injunctions regarding Islamic laws of inheritance.

- The share of inheritance for males is ordained to be twice that of the females. This cardinal principle runs like a thread through the entire subject, whereby in all following instances the *Islamic universal ratio* of two to one holds. Therefore, a son gets twice the share of a daughter; a father gets twice the share of a mother; a brother gets twice the share of a sister and so on. This generic ratio is the underpinning principle for dealing with all matters of inheritance.
- The Qur'anic injunctions on inheritance have to be understood and interpreted as mathematical equations, expressed in steady progression. The implication is that while in its simplest form setting the underlying rules for all subsequent interpretation, merely two variables (relations) i.e., son(s) and daughter(s), pairs of variables (relations) are added, extrapolated in subsequent parts of the same verse or in following verses to achieve closure.
- Certain variables (relations) are added further and explained in the Hadith rather than the Qur'an itself. Therefore, the knowledge present in the body of relevant authentic hadith must also be taken into consideration.
- The big picture can only be understood and correct calculations made once all relevant verses of the Qur'an and additional decrees from the hadith have been put together as

an integrated and seamless whole.

- As mentioned in the present verse, all calculations for shares of relatives are made only after any willed bequest (Wasiah) of the deceased, no more than one-third of the total inheritable value, has been bequeathed and any outstanding loan has been settled.

The injunctions about inheritance in this verse and the practical implications in Islamic jurisprudence are as follows:

1- The son(s) will inherit from a share of two-thirds of the deceased while the daughter(s) will get from the remainder one-third, if there are no other relatives. Hence, if all other things remain constant, son(s) of the deceased will inherit twice that of the daughter(s).

2- If the deceased has left only daughters (plural) and no sons, then the share of these daughters, two or more, will not exceed two-third of the total inheritance, in the absence of any other relatives. The remaining one-third will go to others, which are described in more detail in another place in the Qur'an and in the body of ahadith.

3- If the deceased has left only one daughter (singular) and no sons, then the share of the daughter will not exceed one-half of the total inheritance, in the absence of no other relatives. The remaining one-half will go to others, which are described in more detail in another place in the Qur'an and in the body of ahadith.

Note on points 2 and 3: If the deceased did have other relatives such as brothers, sisters, mother or father, etc., then they would become part of the inheritance calculation and will claim their respective shares following the *Islamic universal ratio* of male to female.

4- If the deceased has left only one son and no daughters, then he will inherit all. This is in conformity to the basic guideline of 'two-thirds for male and one-thirds for female', as in case of only one daughter, she gets one-half of the inheritance. The son, therefore, gets twice that of the daughter, which in this case happens to be the whole.

The subsequent section of the verse pitches two additional pairs of variables, namely, mother and father and brothers and sisters.

5- If, in addition to his/er progeny, the deceased's parent are alive, then they will get one-sixth of the total inheritable value, in the ratio two for father to one for mother.

6- If the deceased has left neither offspring nor any other relatives except parents, then the whole inheritable value will be shared amongst his/er father and mother in the ratio two to one.

7- If the deceased has left neither offspring nor other relatives except parents and siblings, then the mother will claim one-sixth (and the father one-third), while the remaining one-half will be shared between the brother(s) and sister(s) of the deceased in the ratio two to one.

The verse then draws attention of people to their duty, including share in inheritance, towards their parents and children. It ends by providing the rationale for fixed shares of inheritance declaring that Allah, the Omniscient, maintains justice and objectivity in matters more than the subjectively-motivated human beings can ever do. The divisions and shares of inheritance for offspring, parents, siblings and other relatives predetermined by Allah, the Most Wise, are above any bias towards one or the other.

Verse 12 continues the subject and expounds the share of inheritable value of the spouses as another variable (relation) in the inheritance equation. Points 8 and 9 relate to the share of inheritance of the husband while points 10 and 11detail that of the wife (wives).

8- If the deceased woman has left no offspring, then her husband will claim one-half as his share of the inheritable value, and the rest will be claimed by her siblings and other relatives according to their respective shares, keeping the *Islamic universal ratio* of male to female intact.

9- If the deceased woman has left offspring, then her husband will claim no more than one-fourth of the inheritable value and the rest, after satisfying the share of offspring, will be claimed by her siblings and other relatives according to their respective shares, keeping the *Islamic universal ratio* of male to female intact.

10- If the deceased has left no offspring, then his wife (wives) will claim one-fourth as share of the inheritable value, and the rest will be claimed by his siblings and other relatives according to

their respective shares, keeping the *Islamic universal ratio* of male to female intact.

11- If the deceased has left offspring, then his wife (wives) will claim no more than one-eighth of the inheritable value and the rest, after satisfying the share of offspring, will be claimed by his siblings and other relatives according to their respective shares, keeping the *Islamic universal ratio* of male to female intact.

12- The last category of claimants to inheritance is explained in context of the circumstances of the deceased himself/herself, with reference to his/her genealogy. If the deceased has left inheritance with no living offspring or parents, s/he is referred to as 'Qalala' translatable as 'without any inheritor'. It must be noticed that in Islamic Jurisprudence, the legal term 'Qalala' is limited to the inclusion of parents, offspring and spouses only and does not entail siblings or other blood or naturalized relations. The relations that constitute 'Qalala' are then subdivided as 'Usool' (from *root*) and 'Frooh' (from *progeny*). While 'Asal' refers to the roots of a person, i.e., his/her parents, 'Frooh', refers to his/her offspring. Together, the roots and the progeny constitute the primary benefactor of inheritance. Add the relation of spouse(s) and the resulting triad formulates the first circle of inheritors. Irrespective of gender, the deceased can be called 'Qalala' if s/he has either a half-brother or a half-sister alive. Verse 176 of the same Surah elaborates that only the brothers or sisters from the mother's lineage fall in the definition of 'Qalala', hence dealing with the share in inheritance of 'stepbrothers' and 'stepsisters'. In contemporary legal terms, children sharing common parents are called blood siblings, while those having one of the two parents, either mother or father common, are called stepsiblings or half siblings. In Islamic Jurisprudence the three possible scenarios are dealt with separately with different taxonomical labels. Blood siblings, with common parents, are called 'Aaini' brothers and sisters. When the siblings share a common father but not mothers, they are called 'Alati' siblings. Lastly, when they share a common mother but not fathers, they are called 'Akhyafi' brothers and sisters. In cases where parents are common or the father is common, the

children are eligible for their share in inheritance of their deceased parent automatically. The case of 'Qalala', applies only to this last category, i.e., 'Akhyafi' stepsiblings, in which according to Islamic law the mother is common, thus preserving and protecting the rights of women to an unparalleled degree. The application is such because Islam considers the seed of the father to be the identifying factor for organizing a cohesive family structure and social fabric. This proves that the choice of origin for lineage does not stem from discriminatory view towards women or patriarchal tendencies as professed by critics of Islam, but is for purely administrative reasons alone. The rule of thumb for the for the 'Akhyafi' siblings' claim to the share of inheritance is states below:

13- If the deceased has left no other blood relatives but 'Akhyafi' siblings (his/her offspring), then each will claim no more one-sixth, with a total share for the 'Akhyafi' siblings not exceeding one-third of the inheritable value, keeping the *Islamic universal ratio* of male to female intact.

The final fragment of verse 12 and the whole of verse issue a warning note to all that the conditions of justice set forth by Allah must not be transgressed and no one should be harmed by denial of their legal claim to inheritance. Furthermore, the set shares are declared to be the 'boundaries and limits of Allah', which only disbelievers digress. In cases where the limits of Allah have been transgressed, the consequential injustice must be rectified. An example of transgression of the limits of Allah would be a bequest made by a father for his own son, because the son's share has already been fixed by Allah, the Most Wise, and such 'Wasiah' will be deemed void ab initio. The bottom line is that the share of inheritable value fixed by Allah (SWT) for the mentioned relations, male and female, must be observed under all circumstances. It is prohibited to make bequest for offspring, parents, siblings, spouses and other relatives to a maximam of a third of the wealth, after settling any outstanding debt, with specific shares of inheritance fixed in Islamic law. Bequests are supposed to be for the general good and welfare of the people and could include a donation for charity, for orphans, for some destitute distant relatives and so on. Allah gives stern warning to those who alter His ordinances and that He the All-Knower and All-Wise.

Muslims we must be careful in matters of everyday life and ensure that the decrees and ordinances of Allah are followed in letter and spirit, particularly in cases where the limits have been declared vividly.

It was a common observation that Muslims in pre-partition Indian subcontinent used to pledge in British courts for their inheritance matters to be sorted according to custom, rather than Shariah Law. The sorry tale continues on in present-day Pakistan, India and Bangladesh, where a vast majority of the population still shows a tendency of preferring custom to Shariah law.

Verse 14, therefore urges Muslims to obey the limits of Allah and gives glad tidings to those who submit to the ordinances of Allah and His messenger. The verse says that these successful people, whose faith reflects in their practice, will enter gardens with rivers flowing underneath, which will be their eternal abode. It also warns those who disobey Allah (SWT) and His messenger and trample the limits placed by Allah (SWT), they will enter the hellfire, which will be there eternal abode.

Addendum

Prior to our explanation starting from verse 15 in the next issue, it is imperative to add and examine the crucial notion of Inheritance that Islam as a Deen lays such great emphasis on. It must be noted that the first mention of 'Inheritance' and hence its first directive is to be found in the verses of the 22nd section of Surah Baqara, which incidentally happens to preceded Surah An-Nisa. The verses outline the injunctions for inheritance in the case where death catches up with a person in sojourn. If the soon to be deceased (by Allah's decree) is leaving some willable and hence inheritable property or wealth for the heirs to share, **must** make a solemn pledge in the presence of judicious witnesses in favor of his/her parents, relatives and other heirs, keeping the Islamic universal ratio of male to female intact, and allowing for any bequest that has been bequeathed, not more than a third of the willable amount and after accounting for any outstanding debt.

The importance that both the Qur'an and the Sunnah (Hadith) give to the concept and application of laws of inheritance in itself is proof enough to understand the kind of social justice Islam as a Deen wants to enforce in its dominion. For example, by following the injunctions

about the division of inheritance between men and women, wealth can never be accumulated in the hands of a specific gender. Similar is the case with the rights of the money-lender sans interest. Islam also encourages philanthropic activities and a portion of the inheritable value may be set apart, as an option, to charities and other works of human welfare. The Islamic laws of Inheritance take into account relationships as heirs both in terms of off-springs and parents, near and dear ones and distant ones, thus providing justice to all. As stated in the last edition, the verses regarding laws of inheritance were revealed progressively and kept vigil of the strongly tribal Arab Bedouin culture. Naturally, therefore, in the versesw of Surah Al-Baqara, the portions of inheritance were not fixed per se. The general rule of making a Wasiah (Will) was however decreed (made Farz) and in addition, both men and women were included in the process of division. The verses also make mention of the share of relatives, poor, needy, orphans and encouraged bequests and paying off any outstanding debt. It was in Surah An-Nisa that the entire subject of inheritance was explained openly and in such detail that no jot was left out. We shall thus say that the verses of Surah Al-Baqara regarding the laws of inheritance stand abrogated (no longer valid) by the later revelation on the same subject in Surah An-Nisa. One must however mindful of the injunctions laid about the subject in the Sunnah (Hadith), which is why the whole body of the subject to be found at various places in the Qur'an and the Sunnah (Hadith) must first be compiled before issuing a religious degree on such matters. The pensive reader is advised to read the earlier section of this discourse published in the previous issue of Hikmat-e-Qur'an.

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام

داخلے جاری ہیں

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

(جاری کردہ) ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تا کہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید وناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 2 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 2 ستمبر کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem.org

ندیم سہیل
0322-4371473

Quarterly
July - Sep. 2013

HIKMAT-E-QURAN

Lahore
Vol. 32 No. 3

مرکزی انجمن خُدّامُ القُرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ـــــ اور ـــــ سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حِکمت کی

وسیع پیمانے ـــــ اور ـــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ ـــ اور ـــ غلبۂ دینِ حق کے دور ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ